خُدا شناسی

از

پادری ڈاکٹر عماد الدین لاہز

اِنسان خُدا کی تخلیق ہے اِس لِئے اُس میں فطرتاً اپنے خالق کو جاننے کی آرزُو پائی جاتی ہے۔ چُنانچہ اُس نے اپنی عقل وتمیز پر بھروسا کرتے ہُوئے خُدا کو جاننے کے لِئے مُختلِف طرِیقے ایجاد کِئے لیکن ناکام رہا۔

زیرِ نظر کِتاب میں مُصنّف نے حقیقی خُدا شناسی کو بیان کرنے کے لِئے پہلے خُدا کی شناخت کی ضرُورت اور وَسیلہ پر رَوشنی ڈالی اور پھر اِلہام، رُوح، خُدا کی ذات وصفات، تثلیث فِی التوحِید اور طریقۂ نجات کو بیان کیا تاکہ اِنسان پُورے طور پر اپنے خالق کو پہچان سکے۔

خُدا شناسی

— مُصنّفہ —

پادری ڈاکٹر عمادُالدّین لاہز مرحُوم

بہ اجازت پنجاب ریلیجس بُک سوسائٹی، انارکلی - لاہور

— ناشرین —

ایم - آئی - کے

۳۶ فیروز پُور روڈ —— لاہور

بار _____ دوم
تعداد _____ پانچ سو
قیمت _____ ۱۸ روپے

سنہ ۲۰۰۵ء

مینیجر ایم۔آئی۔کے ۳۶ فیروز پور روڈ، لاہور نے حیدری پریس، لاہور سے
چھپوا کر شائع کیا۔

حرفِ اوّل

زیرِ نظر کتاب پادری عمادالدّین مرحوم کی کاوش کا نتیجہ ہے جو کہ ایک جیّد عالم اور اعلیٰ پائے کے مُصنّف تھے۔ آپ کے قلم سے مسیحیت کی مُدافعت میں مُتعدّد کتابیں نکلیں۔ یہ کتاب اُنہی میں سے ایک ہے جسے پہلے پنجاب ریلجس بُک سوسائٹی لاہور نے "پندرہ لیکچر" کے عُنوان سے شائع کیا تھا۔

چونکہ یہ کتاب اُنیسویں صدی کے اَواخر میں تحریر ہُوئی تھی اِس لئے اِس کا اُسلُوب اور طرزِ تحریر اُسی زمانہ کا تھا۔ ہم نے اِس کی نظرِ ثانی کرتے وقت اُن اَلفاظ کو جو اَب متروک ہیں نکال دیا اور پیچیدہ عبارات کو سہل و سلیس بنا دیا ہے تاکہ ہر مکتبۂ فکر کا شخص اِس کو آسانی سے سمجھ سکے۔ ہماری دِلی دُعا ہے کہ اِس کتاب کے باعث بُہت سے اہلِ وطن خُدا شناسی میں مزید ترقی کریں۔

—— ناشرین ——

فہرستِ مضامین

باب — صفحہ

۱- سچّے خُدا کی صحیح شناخت کی ضرورت ۵
۲- خُدا شناسی کا وسیلہ ۱۰
۳- اِلہام اور خُدا شناسی ۱۷
۴- اِلہام کی شناخت ۲۳
۵- رُوح کیا ہے؟ ۳۲
۶- رُوح کی مَوجُودہ حالت ۴۱
۷- اِنسانی رُوح کیونکر خلاصی پا سکتی ہے؟ ۴۹
۸- خُدا کی ذات و صفات ۵۵
۹- تثلیث فی التّوحید ۶۱
۱۰- تثلیث کی توضیح ۷۰
۱۱- برحق خُدا ۸۰
۱۲- بَدی کا چشمہ ۸۹
۱۳- بَدی کیا ہے؟ ۹۸
۱۴- طریقِ نجات از رُوئے عقل اور از رُوئے بائبل ۱۰۷
۱۵- یسوع المسیح عہدِ عتیق میں ۱۱۷

پہلا باب

سچّے خُدا کی صحیح شناخت کی ضرورت

دُنیا میں بہت کم لوگ ایسے ہیں جو اِس ضرورت سے کما حقّہٗ واقف ہیں۔ اگرچہ زبان سے تو سب اِس ضرورت کا اِقرار کرتے ہیں لیکن اپنے طرزِ عمل سے یہ ظاہر کرتے ہیں کہ وُہ اب تک اِس سے ناواقف ہیں، کیونکہ اُن کی ساری کوشش نفس پروری، عیش طلبی، عشرت نوازی اور حصُولِ منفعت میں صَرف ہوتی ہے۔ جب خُدا شناسی کے مُتعلّق اُن سے کہا جاتا ہے تو عدیمُ الفرصتی کا عُذر پیش کرتے ہیں جس سے صاف ظاہر ہے کہ وُہ اِس ضرورت سے اب تک ناآشنا ہیں۔ اِس لئے مَیں نے مناسب سمجھا کہ پہلے اِس ضرورت کو ثابت کروں۔

مَیں نے اِس بحث کو خُدا کی ہستی کے ثبوت سے شروع نہیں کیا۔ خُدا کی ہستی تو عقلاً اور نقلاً سب کو مُسلّم ہے، خواہ وُہ مسیحی ہو یا مُسلمان، یہُودی ہو یا ہندو۔ کسی کو بھی اِس سے اِنکار نہیں ہے۔ تاہم خُدا کی ہستی کے مُتعلق اِختصاراً اِتنا لکھنا کافی ہوگا کہ

(۱) دُنیا کی پیدائش اور اِنتظام میں ایک عجیب حِکمت اور قُدرت اور اِرادہ پایا جاتا ہے جو خُدا کی ہستی کی دلیل ہے۔

(۲) اِنسانی ضمیر بھی خُدا کی ہستی پر گواہی دیتا ہے۔ خلوت اور جلوت میں خُدا کی ہستی کا دبدبہ انسانی ضمیر پر نمایاں نظر آتا ہے۔

(۳) زمین پر نوعِ انسان کی تمام شاخیں کسی نہ کسی معبود کی پرستش کرتی ہیں جس سے خدا کی ہستی صاف ثابت ہوتی ہے۔

ہاں، کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو خدا کی ہستی کا انکار کرتے ہیں۔ لیکن اگر اُن کی باطنی حالت پر غور کیا جائے تو معلوم ہو سکتا ہے کہ اگرچہ وُہ اپنے خیالات کے اعتبار سے مُنکر معلوم ہوتے ہیں مگر اپنے دِل میں خدا کی ہستی کا ثبوت نمایاں طور پر محسوس کرتے ہیں۔ اپنی نفسانی خواہشات کو پُورا کرنے کی غرض سے اپنے آپ کو دھوکا دیتے ہیں اور سمجھنے لگتے ہیں کہ ہمارے افعال کی باز پُرس کرنے والا کوئی نہیں۔ ایسے اشخاص کی باتوں سے کون سا دانا ہے جو مَوجُودات اور ضمیر کی گواہی کو چھوڑ کر اپنے خالق کی ہستی کا انکار کرے گا! خدا ضرور ہے لیکن اُس کا عرفان حاصل کرنا ازبس ضروری ہے۔

سُوال: کیا جھوٹے خدا بھی کہیں مَوجُود ہیں؟

جواب: فی الحقیقت تو کہیں موجُود نہیں لیکن اکثر نے فکر کی غلطی کے سبب سے یا اپنے خیالوں سے اپنے ذِہنوں میں فرضی خُدا بنا رکھے ہیں یا اپنے ہاتھوں سے بُت تراش کر اپنی عبادت گاہوں میں رکھے ہُوئے ہیں۔ بعض ایسے بھی ہیں جو سچے خدا کی ہستی سے کسی قدر واقف تو ہیں لیکن صحیح شناخت کی کوتاہی کے سبب سے قربتِ الٰہی سے محرُوم ہیں۔

اگرچہ خدا کی صحیح شناخت کی ضرورت پر بہت سے ثبوت اور دلیلیں پیش کی جا سکتی ہیں لیکن مَیں یہاں صرف پانچ باتیں

پیش کرتا ہُوں:

پہلی بات: یقیناً تمام مَوجُودات سچے خدا کی مِلکیّت ہے اور ہم ذی رُوح اور ذی عقل مَوجُودات میں شامل ہیں۔ لہٰذا ازبس ضرُوری ہے کہ سچّا خدا اپنی شناخت کے وسیلے سے ہمارے دِل میں سکونت کرے ورنہ ہم ہلاکت کے فرزندوں میں شامل ہوں گے۔

دُوسری بات: ہم پر فرض ہے کہ خدا کی فرمانبرداری اور اطاعت کریں۔ مگر یہ اُس وقت تک ہو نہیں سکتی جب تک کہ ہم خدا کو صحیح طور سے نہ پہچانیں۔ مالک کی درُست طریقے سے خدمت وُہی نوکر کر سکتا ہے جو اُس کے مزاج، ارادے اور عزّت سے واقف ہے۔

تیسری بات: ظاہر ہی ہے کہ یہ دُنیا ہماری عارضی قیام گاہ ہے۔ انسانی رُوح اِسے کسی نہ کسی وقت چھوڑنے پر مجبُور ہوگی اور مَوت کا مزہ چکھے گی۔ پس اِس خطرناک حالت میں انسان کیا کرے؟ سچے خدا کی صحیح شناخت کے سوا آسمان میں یا زمین پر کوئی ایسی چیز نہیں جس کو از رُوئے عقل ہم تھام سکیں۔

اگرچہ ہم میں سے بعض کی عقل تعلیم، علم اور دُنیا کے حالات جاننے کی وجہ سے قدرے روشن ہو گئی ہے، تاہم دِل بالکل کالے ہیں۔ اِس کا ثبوت یہ ہے کہ ہماری تمام خواہشیں اور ارادے جو ہمارے دِلوں میں اُٹھتے ہیں ہمارے عمل سے ظاہر ہو جاتے ہیں اور ہمارا ضمیر گواہی دیتا ہے کہ ہماری حرکات و سکنات اور خیالات

درُست نہیں ہیں ۔ اگرچہ کچھ کچھ درُست بھی نظر آتے ہیں مگر ہم سے زیادہ تر حصّہ بُرائی ہی کا اظہار ہوتا ہے ۔

چوتھی بات : اور یہ بھی ظاہر ہے کہ عقلی روشنی سے نہ کبھی دل روشن ہُوا ہے اور نہ ہو سکتا ہے ۔ پس دل میں روشنی کی بڑی ضرُورت ہے مگر وُہ کہاں سے آئے ؟ موجُودات کے ذریعہ صرف عقل میں کچھ روشنی پیدا ہوتی ہے نہ کہ دِل میں ، اور یہ بات دُنیا کے عُقلا کی تحاریر و تقاریر اور چال چلن سے ظاہر ہے ۔

تاہم ، دُنیا میں چند لوگ ایسے بھی ہیں جن کے دِل ضرُور روشن ہیں ۔ اگرچہ اُن میں دُنیاوی روشنی اِتنی نہیں مگر چونکہ وہ خُداشناسی سے بھرے ہوئے ہیں اِس لئے اُن کے دِل روشن ہیں ۔ پس دِل کی روشنی حاصل کرنے کے لئے تاکہ ہمارے قدم سلامتی کی راہ پر چلیں خُداشناسی کی بڑی ضرورت ہے ۔ اگر دُنیاوی علُوم کی روشنی ہمارے اندر نہ ہو تو بھی ہمارا چنداں نقصان نہیں ، لیکن اگر خُداشناسی کی روشنی ہمارے دِلوں میں نہ آئے تو ہم ضرُور ہلاک ہوں گے ۔ لیکن افسوس ہے کہ جس کی زیادہ ضرُورت ہے لوگ اُسی پر کم توجّہ دیتے ہیں ۔

پانچویں بات : خوشی اور غم اور دُنیاوی تغیّرات کے دیکھنے سے بعض اوقات ہمارے دِلوں اور عقلوں میں حیرانی اور بے قراری پیدا ہوتی ہے ۔ دُنیاوی خوش وقتی کی حالت میں ہم کیسے بچّوں کی مانند بہل جاتے ہیں اور مصائب کے وقت کیسی بے قراریاں ظاہر ہوتی ہیں ۔ غرض دُنیا کے دُکھ سُکھ کی موجوں میں ہماری کشتی کیسی ڈانواں ڈول چلتی ہے ۔ لیکن جب ہم خُداشناس لوگوں کو دیکھتے ہیں وُہ ان

حالات میں بھی بڑے ثابت قدم اور مُطمئن نظر آتے ہیں گویا کہ وُہ دُوسری ہی قسم کے لوگ ہیں ۔ وُہ نہ تو دُنیاوی خُوشی میں گُم ہو جاتے ہیں اور نہ دُکھوں میں بے قرار اور پریشان نظر آتے ہیں ۔ یہ عجیب نعمت اُن کو کہاں سے ملی ؟ سچّے خُدا کی صحیح شناخت سے !

حاصِل کلام

۱ ۔ خُدا کی صحیح شناخت کی بڑی ضرُورت ہے اور بغیر اِس کے صاف ہلاکت ہے ۔

۲ ۔ سچّے خُدا کی صحیح شناخت دل کو روشن کرتی ہے اور اُس سے اِطمینانِ قلب حاصل ہوتا ہے ۔

۳ ۔ اِس شناخت کے بغیر ہم نہ تو خُدا کے حقُوق ادا کر سکتے ہیں اور نہ بندوں کے اور نہ ہم سلامتی کی راہ پر چل ہی سکتے ہیں ۔

دُوسرا باب

خُداشناسی کا وسیلہ

گزشتہ باب میں اِس شناخت کی ضرورت کو پانچ باتوں کے ذریعہ دِکھایا گیا ہے۔ لیکن زیادہ غور کرنے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ ضرورت اِنسان کی رُوح میں مرکوز ہے اور یہ رُوح کی ایک خواہش یا اِقتضا ہے۔

اگرچہ اِس خواہش کو جو سب لوگوں کی رُوحوں میں موجود ہے، بعض لوگوں نے دنیاوی لذائذ کے حصول میں مصروف رکھا ہے، تو بھی بنی آدم کا ایک انبوہِ کثیر اپنی ریاضات و مجاہدات اور خیالات سے اِس کا ثبوت دیتا ہے۔ اور ہر دو فریق کی حالت کا بغور مُعائنہ اور مُشاہدہ بھی الٰہی شناخت کی ضرورت کو اِنسانی رُوحوں میں مرکوز دکھاتا ہے۔

اگر کوئی کہے کہ دیوانوں میں اور اُن بچوں میں جو حیوانوں کے ساتھ جنگل میں پلتے ہیں خُدا کی شناخت کی خواہش نہیں ہوتی۔ اُنہیں تو خُدا کا خیال بھی نہیں ہوتا، پس کیونکر کُل بنی آدم کی رُوح میں اِس کے ہونے کا یقین کر سکتے ہیں؟

جواب یہ ہے کہ اِنسان جب تک اِنسانی درجے میں ہے اُس وقت تک یہ خواہش ضرور اُس میں پائی جاتی ہے۔ لیکن جب وُہ اپنے درجے سے خارج ہو کر حیوانوں کے درجے میں پہنچ جاتا ہے تب

اُس میں اُس کے حقیقی اِقتضا کو تلاش کرنا فضول ہے۔ اندھا آدمی دیکھ نہیں سکتا، گونگا بول نہیں سکتا، بہرا سُن نہیں سکتا اور بیوقوف سمجھ نہیں سکتا تو بھی جو اِنسان صحیح سالم ہیں اُن میں یہ صفات پائی جاتی ہیں۔ پس بعض معذوروں کے سبب سے خاصوں کی کلیّت میں فرق نہیں آسکتا۔

جب یہ ضرورت رُوح میں جاگزین ہے تو اِس کی تکمیل بھی مُمکن ہوگی۔ کیونکہ جس نے رُوح میں خُداشناسی کی خواہش رکھی ہے وُہ اِس خواہش کے پُورا کرنے پر بھی قادر ہے۔ پیدا کرنے والے نے جسم میں جو خواہشیں رکھی ہیں، مثلاً کپڑے کی خواہش اور کھانے پینے کی خواہش وغیرہ، اُس نے یہ انتظام بھی کیا ہے کہ سب کو پوشاک اور خوراک مناسب طور پر پہنچے۔ بعینہٖ اُس نے رُوح میں جو جو خواہشیں پیدا کی ہیں کیا اُن کے اِنتظام پر وُہ قادر نہ ہوگا؟ ضرور ہوگا۔ وہ رُوح کی خواہشیں بھی پُوری کرے گا اور کرتا ہے۔

پس یہ خواہش کہ مَیں اپنے خُدا کو پہچانوں لوگوں میں ضرور پائی جاتی ہے۔ لیکن اِس کی تکمیل کے جو طریقے لوگوں نے اختیار کئے ہیں وُہ اُن کے ہی ایجاد کئے ہُوئے معلوم ہوتے ہیں۔ مثلاً بہُت سے لوگ خُداشناسی کے لئے تحصیلِ علم کی طرف زیادہ متوجّہ ہوتے ہیں، لیکن اِس کا سوائے اِس کے کہ عقل روشن ہو جائے اور کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو پیروں فقیروں اور بزرگوں کے پاس جاتے ہیں کہ اُن سے خُداشناسی سیکھیں۔ چنانچہ وُہ اُنہیں ریاضتیں، مجاہدات، ذکر و فکر اور کچھ دیگر وظائف

سِکھاتے ہیں لیکن اُن سے بجزُ نفس کُشی اور وَہم کے اَور کُچھ حاصِل نہیں ہوتا - اور بعض اَیسے ہیں جو قیاسات پر زور دیتے ہیں مگر یہ صِرف عقلی برگشتگی ہے جس سے صِرف یاس یا دیوانگی یا سراسیمگی پیدا ہوتی ہے اور رُوح کی تشنگی ہرگز نہیں بجھتی - جِنہوں نے اِن باتوں کا تجربہ کیا ہے وُہ جانتے ہیں کہ یہ سب باتیں سچ ہیں اور یُوں ہی ہیں -

ہمارے زمانے میں اب اکثر لوگ دلائِل پر زور دیتے ہیں - اِس سے پہلے ریاضت پر زور دِیا جاتا تھا - مگر جب سے عِلم میں ترقی ہُوئی اور بائبل مُقدّس اِس مُلک میں آئی اُس وقت سے یہ حال ہے کہ خیالاتِ عِلمیہ اور اِلہامیہ میں ٹکراؤ کے سبب سے اکثر لوگ دلائِلِ عقلیہ کے زیرِ سایہ پناہ لینے کو دوڑتے ہیں اور عقل کو خُدا کی صحیح شناخت کا کافی وسیلہ جانتے ہیں -

ہم بھی کہتے ہیں کہ عقل خُداشناسی کا ایک وسیلہ ہے مگر وُہ کامل اور کافی وسیلہ ہرگز نہیں ہے - پس ہم اُسے نہ ردّ کرتے ہیں اور نہ صِرف اُس کی ہِدایت ہی کو کافی جانتے ہیں - اِس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے سب اِعضا اور حواس اگرچہ ہماری اِس زِندگی کی رفعِ حاجات کے لئے پَیدا کئے گئے ہیں مگر بیرُونی طاقت کے بغیر وُہ ناکافی ہیں - مثلاً جب تک اِعضا میں بَیرونی غذا سے طاقت نہ آئے وُہ سب بیکار ہیں - آنکھ اگرچہ دیکھنے کا آلہ ہے لیکن بَیرونی رَوشنی کی سخت مُحتاج ہے - رُوح اگرچہ بدن کو زِندہ رکھتی ہے لیکن سرچشمۂ حیات سے قوّت حاصِل کرنے کی مُحتاج ہے -

اب جبکہ تمام اِعضا بیرُونی مَدد کے مُحتاج ہیں تو کیا صِرف عقل ہی ایک اَیسا جوہر ہے جِس کو بیرُونی طاقت کے بغیر کافی سمجھا جائے؟ وُہ تو گھٹتی بھی ہے اور بڑھتی بھی ہے اور اپنے فیصلوں کی ہمیشہ ترمیم بھی کِیا کرتی ہے - پس عقل کِسی طرح بھی خُداشناسی کا کافی وسیلہ نہیں ہوسکتی - اِسی لئے ہم کہتے ہیں کہ عقل عُمدہ چیز تو ہے مگر کافی نہیں - پس اِسی پر بھروسا کر کے بیٹھے رہنا کوتاہ اندیش آدمی کا کام ہے جو آخر میں پچھتائے گا -

دیکھئے عقل ہماری بعض ضرُوریات کے دریافت کرنے میں کیسی ناچار اور بےبس ہے، مثلاً اِنسان کی ابتدائی حالت کا کُچھ بیان نہیں کرتی کہ اِنسان کیونکر پَیدا ہُوا - اِسی طرح ہماری اِنتہا کا حال نہیں بتا سکتی کہ ہم کیا کُچھ ہوں گے - وُہ تو اُس شریعت کے سمجھانے میں بھی غلطی کرتی ہے جو ہمارے دِلوں پر لِکھی ہُوئی ہے - پھر عقل عقل میں فرق ہے - وُہ باتیں جو ایک قوم مثلاً ہِندوؤں کی عقل کے اِعتبار سے اچھّی ہیں، وُہی باتیں دُوسری قوم کی عقل کے اِعتبار سے بُری معلوم ہوتی ہیں - یہ تو خُدا کی ذات وصفات کا بیان بھی تسلّی بخش نہیں کرسکتی - اگرچہ خُدا کی ہستی پر گواہی دیتی ہے لیکن یہ گواہی ہماری تسلّی کے لئے کافی نہیں ہوسکتی - یہ باتیں یعنی اِنسان کی اِبتدا اور انتہا، نیکی اور بدی اور خُدا کی ذات وصفات ایسی ہیں کہ جب تک ہمیں تسلّی بخش طور پر سمجھائی نہ جائیں تب تک ہماری رُوحوں کی پیاس بُجھ نہیں سکتی اور یہ بات عقل سے ناممکن ہے - اِسی لئے ہم کہتے ہیں کہ صِرف عقل سے نہ خُودشناسی حاصِل ہوسکتی ہے اور نہ خُداشناسی -

پس جب عقل کی یہ کیفیت ہے کہ اُمورِ بالا کے مُتعلق کچھ نہیں بتا سکتی تو پھر شناختِ الٰہی کا تقاضا جس کی بڑی ضرورت ہے کس طرح تکمیل کو پہنچ سکے گا؟

کیا ہمارا پیدا کرنے والا ہماری اِس ضرورت اور ناچاری سے واقف نہیں ہے؟ یا وُہ اِس کی تکمیل پر قادر نہیں ہے؟ یا یہ خواہش بے جا ہے اور ہم میں صرف وہم سے پیدا ہوگئی ہے؟ ہرگز نہیں۔

بے شک خُدا نے یہ خواہش ہمارے دِلوں میں رکھی ہے اور وُہ خوب جانتا ہے کہ ہمارے دِلوں میں یہ خواہش بے چینی کا باعث ہوگی مگر ہم اِس کو پُورا نہیں کر سکتے۔ ہم تو جسمانی خواہشوں یعنی بھُوک پیاس وغیرہ کو بھی پُورا نہیں کر سکتے، چہ جائیکہ اِس اعلیٰ خواہش کو پُورا کر سکیں۔

ہماری کیا طاقت ہے کہ قحط کے سالوں اور وبائی بیماریوں میں جبکہ لاکھوں انسان مَر جاتے ہیں اپنی عقل سے اور اپنے اِنتظام سے خوراک پیدا کر سکیں یا اُن امراض کو دفع کر سکیں۔ جب جسمانی خواہشوں کی تکمیل کے لئے ایک غیبی طاقت مصروفِ کار نظر آتی ہے تو رُوحانی خواہشوں کی تکمیل کے لئے غیبی اور آسمانی مدد کیوں نہ آئے گی! شناختِ الٰہی کے لئے خُدا سے مدد آنی چاہیئے اور یہ مدد وُہی ہے جس کا نام الہام ہے۔

پس شناختِ الٰہی کے لئے اِلہام بے حد ضروری ہے، اِس طور پر کہ عقل جو ایک ناکافی وسیلہ ہے وُہ اِلہام سے قوّت پاکر پُورا

اور کافی وسیلہ بن جائے۔ آنکھ جسمانی چیزوں کو دیکھنے کا وسیلہ ہے مگر سُورج سے رَوشنی حاصِل کر کے۔ اِسی طرح عقل خُدا شناسی اور خود شناسی کا وسیلہ ہے مگر الٰہی کرنوں یا اِلہام سے روشنی حاصِل کر کے۔

اب مَیں صاف کہتا ہُوں کہ جس طرح ہماری رُوح میں خُدا شناسی کا اِقتضا موجُود ہے اُسی طرح ہمارے خالق کی اُلوہیّت میں بھی اِس اِقتضا کی تکمیل کی اُمّید ہے۔ اگر ہم اپنی پرورش اور اپنے دِیگر حالات پر غور کریں تو ہمیں خُوب معلُوم ہو سکتا ہے کہ ہمیشہ ہماری کمزوری اور ناچاری میں اُس کی قوّت، اُس کی طاقت، اُس کی حِکمت اور اُس کی مُسبّبُ الاَسبابی ہمارے شامِل حال رہی ہے، تو کیا اب ہم ایسے ہو گئے کہ اِلہام کی ضرورت سے بے نیاز ہو گئے، حالانکہ وہی عقل جو ہماری مذکورہ بالا ضروریات میں ناچار ہے اَب بھی ہم میں موجُود ہے۔ پس یہ بڑی مغروری اور نادانی کی بات ہے کہ اِنسان اِلہام کی طرف سے بے پروا ہو اور صرف اپنی عقل پر تکیہ کر کے ہلاک ہو۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ الہام کی ضرورت نہیں گویا یہ کہتا ہے کہ آنکھ کے لئے آفتاب کی یا زندگی کے لئے ہَوا کی ضرورت نہیں۔

شناختِ الٰہی کے لئے عقلِ انسانی کو اِلہامِ الٰہی سے منوّر ہونے کی بڑی ضرورت ہے۔ اِس کے بغیر عرفان ناممکن ہے۔ اِس قول کو یاد کیجئے جہاں لکھا ہے کہ "تیرے سب فرزند خُداوند سے تعلیم پائیں گے" (یسعیاہ ۵۴: ۱۳)۔ خُدا سے تعلیم پانا یہی ہے کہ ہماری عقلیں الہام یا نُورِ الٰہی سے منوّر ہو کر خُدا شناسی حاصِل کریں۔ چنانچہ

شناختِ الٰہی کا وسیلہ عقل مع الہام ہے، کیونکہ جب ہماری آنکھیں کھُلی ہوں اور سُورج بھی نکلا ہو تب ہم اچھّی طرح دیکھ سکتے ہیں۔

اور یہ ہدایت عقل ہی کی ہے کہ اِنسان اِلہام کا مُحتاج ہے اور آدمیوں میں اخذ کرنے کی اور خُدا میں عطا کرنے کی خواہش مَوجُود ہے۔ پس خُداشناسی کے لئے اِلہام کی طرف متوجّہ ہونا سب پر واجب ہے۔ جو اِس طریقے سے ہٹ جاتا ہے وہ ابد تک بھلائی کا مُنہ نہ دیکھ سکے گا۔

تیسرا باب

اِلہام اور خُداشناسی

گُزشتہ اوراق میں اِس بات کا بیان ہُوا ہے کہ عِرفانِ الٰہی کے اِقتضا کی تکمیل جو ہر ایک رُوح میں مَوجُود ہے صِرف عقل سے نہیں ہو سکتی بلکہ اِس کی تکمیل خالق سے ہوتی ہے۔ بدیں وجہ ہم اِلہام کے مُحتاج ہیں تاکہ عقلِ انسانی الٰہی نُور سے مُنوّر ہو کر اپنے خالق کو اچھّے اور سچّے طور پر جان سکے۔ اِس پر بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ جو باتیں عقل سے دریافت نہیں ہو سکتیں وُہ اِلہام سے بھی نہیں ہو سکتیں۔

درحقیقت یہ اِعتراض بے توجہی کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ شاید مُعترض نے یہ سمجھا کہ اِلہام ایک ایسی چیز ہے جس سے لا انتہا معرفت حاصِل ہو سکتی ہے اور ہر ایک شئے کی حقیقت اور دُنیا و مافیہا کے رُموز اِس کے وسیلے سے اِس طرح عیاں ہوتے ہیں جس طرح بعض باتیں عقل سے حل ہوتی ہیں۔

چنانچہ مناسب معلوم ہُوا کہ اِلہام کے متعلق بھی کچھ بتایا جائے۔ اِلہام کے لئے بھی ایک حَد ہے۔ جہاں تک اِس حد کا تعلق ہے، لاریب وہاں تک وُہ ہماری رہبری کرتا ہے اور جو باتیں اِس کی حَد میں داخِل نہیں وُہ اُن سے واسطہ نہیں رکھتا۔

عقل کے اِس ناطق حُکم کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اُس بے مثل اور لاشریک خُدا کا نہ تو علم میں، نہ قُدرت میں اور نہ کِسی اَور بات میں کوئی مخلوق برابری کر سکتا ہے کیونکہ یہ بات ناممکن اور محال ہے۔

معرفت کا لُبِ لُباب یہ ہے کہ خُدا کی نسبت ہمارے اذہان میں صحیح خیالات پیدا ہوں اور ہماری کیفیّت ہم پر ظاہر ہو جس سے ہماری رُوحوں میں تازگی اور تسلّی پیدا ہو جائے۔ اب ظاہر ہے کہ وُہ سب خیالات خواہ عقل کی وساطت سے پیدا ہوں یا خارجی دَلائل سے، ہمیں ان کو تسلیم کرنے پر مجبُور کریں۔ اِلہام، ہر حالت میں اِنسان کو عقل کی نسبت کچھ زیادہ ہی رَوشنی عطا کرتا اور کچھ زیادہ ہی علم اور عِزّت بخشتا ہے۔ ہاں خُدا کی مانند ہمیں عالمِ حقائق نہیں بنا سکتا اور نہ غیر ممکنات کو ہمارے لئے ممکن کر سکتا ہے۔

خُدا کی قُدرت اور حکمت اور اُس کے اِکرام جن کو ہم اِس دُنیا میں عقل کی آنکھ سے دیکھتے ہیں اِس قدر صاف اور واضح معلوم نہیں ہوتے جِس قدر اِلہامِ الٰہی کے ذریعے سے وُہ رَوشن تر اور شفاف تر معلوم ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اُن لوگوں کا دِل جو محض عقل کے پیروکار ہوتے ہیں خُدا کی حِکمت اور قُدرت سے اِتنے متاثر نہیں ہوتے جِس قدر کہ اِلہام کے پیروؤں کے دِل متاثر اور مُتشکّر ہوتے ہیں۔

اِس کے عِلاوہ خُدا کی بہُت سی ایسی عجیب و غریب قُدرتیں اور

حِکمتیں اور بخششیں ہیں جو صِرف اِلہام ہی کے ذریعے ظاہر ہُوئیں۔ عقل کی وہاں تک رسائی نہیں۔ مثلاً نجات کی حِکمت اور خُدا کی رفاقت، گناہوں کی مُعافی اور رُوحانی اجر اور دِلوں کی تبدیلی اور برکات کا فیضان وغیرہ۔ یہ ایسے اُمُور ہیں جہاں تک عقل کی رسائی ممکن نہیں لیکن اِلہام سے کچھ بھی بعید نہیں ہے۔

دُوئم یہ کہ اِلہام اُس اِلٰہی شریعت کو جو دِلوں پر مُنقّش ہے اور جِس کو عقل نے دُھندلا سا دیکھا تھا اور اُس کے مطالب کے سمجھنے میں غلطیاں کر کے آدمیوں کو گمراہ کیا تھا، نہایت صاف اور غیر مُبہم طور پر بتلاتا ہے کہ دِلی شریعت کا کیا مطلب ہے اور اِنصاف، رحم، پاکیزگی، فضل، خوش اخلاقی اور فروتنی وغیرہ کے کیا معنی ہیں۔

سِوُم یہ کہ اِلہام نے ہماری حالت کو ہم پر یہاں تک ظاہر کیا ہے کہ اب ہم خوب جانتے ہیں کہ ہم کیسی خواہشاتِ نفسانی اور مُہلکاتِ رُوحانی میں پھنسے ہُوئے ہیں۔ یہ کام نہ تو عقل سے ہو سکتا تھا اور نہ اُس نے کیا۔ اِلہام کے وسیلے سے ہم اپنی تمام اندرُونی اور بیرُونی بیماریوں اور خطروں کو صفائی کے ساتھ دیکھ سکتے ہیں اور اُن کے مُعالجے اور دفعیے کے لئے اُس کے کلام سے اَمداد لے سکتے ہیں۔ گویا اِلہام آئینہ ہے جِس میں ہم اپنے چہرے کے داغ کو دیکھ کر دھوتے ہیں یا ایک خُردبین ہے جو ہماری عقل کے ہاتھ آ گئی ہے جِس کے ذریعے ہم باریک سے باریک چیز بھی دیکھ سکتے ہیں۔

یہ اِس لئے ہے کہ پہلے اِلہام نے دو باتیں ہمیں دِکھلا کے ہماری عقلوں کو اپنا گرویدہ بنا لیا ہے جن کا اِنکار ہماری عقلیں ہرگز نہیں کر سکتیں۔

اوّل یہ کہ الہام نے اُن اُمورِ عقلیہ کو جن کا ذِکر اُوپر ہو چکا ہے زیادہ صفائی سے دِکھلا کے ہمیں اپنا مُعتقِد بنا لیا ہے۔ دُوم یہ کہ وُہ قدرت اور حکمتِ الٰہی کے ساتھ ظاہر ہو کر ہمیں یقین دِلاتا ہے کہ وُہ اُس خُدا کی طرف سے ہے جس کو عقل قادرِ مُطلق کہتی ہے۔

پس اِن دو خارجی دلیلوں کے سبب سے جو کُچھ الہام بتلاتا ہے عقل مجبُوراً اِس کو قبول کر لیتی ہے۔ چنانچہ جو کُچھ الہام کہتا ہے وُہ ضرور سچ ہے کیونکہ اُس کی سچّائی کے خِلاف ہمارے پاس کوئی مُستحکم دلیل نہیں ہے۔ لہٰذا جو کُچھ وُہ کہتا ہے اُس کو ماننا ہم پر فرض ہے، خاص طور پر اُن اُمور کو جن کا تعلُق ذات وصفاتِ الٰہی کے ساتھ ہے کیونکہ اُن کے متعلق عقل بالکُل گُونگی ہے۔ پس ایسے مُعاملات میں الہام ہماری عقلوں کے لئے مثل دُوربین کے ہوگا یعنی الہام عقل کی حد میں عقل کے لئے مثلِ خُردبین کے ہے اور عقل کی حد سے باہر اِس کے لئے مثلِ دُوربین کے ہوگا۔ پہلے مقام میں عقل یُوں گواہی دے گی کہ جو کُچھ میں پہلے دُھندلا سا دیکھتی تھی اب اِس خُردبین سے صاف دیکھتی ہُوں اور دُوسرے مقام میں یُوں بولے گی کہ اب میں آئینے میں دُھندلا سا دیکھتی ہُوں۔

اِلہام کیا بخشتا ہے؟ وُہ رُوح میں ایسے اعلیٰ تاثرات پیدا کرتا ہے جو عقلی خیالات سے کبھی پیدا نہیں ہو سکتے۔ مثلاً باطنی پاکیزگی، خُدا کی حضُوری کا اِحساس، حقیقی تسلّی، زندہ ایمان و اُمّید اور حقیقی خوشی کا بیعانہ جو صحیح عرفان کا پہلا پھل ہے، اور دلیری جو چرخِ کج رفتار کے دُکھ سُکھ کی موجوں میں ابدی سفر کی بندرگاہ میں ہماری مدد کرے۔ الہام صرف یہاں تک ہی ہماری مدد کرتا ہے اور یہ ہماری موجُودہ حالت کے لئے کافی ہے۔

جب اِلہام کی مدد کی حد معلُوم ہو گئی تو وُہ پانچ باتیں یاد کیجئے جو پہلے باب میں شناختِ الٰہی کی ضرورت دِکھلاتیں اور الہام ہی کے وسیلے سے تکمیل پا سکتی ہیں۔ مثلاً

(۱) خُدا کی سکُونت اِس قدر عرفان کے وسیلے سے ہماری رُوحوں میں کافی ہے۔ (۲) خُدا کی دُرست اطاعت اِس قدر شناخت سے ہو سکتی ہے۔ (۳) خطرناک حالت میں اِس قدر شناخت ہمارے لئے عُروۃُ الوُثقیٰ[1] ہے۔ (۴) دِل کی روشنی کے لئے یہ شناخت ایک کافی چراغ ہے۔ (۵) زمانے کی رنگارنگی میں ثبات حاصل کرنے کو یہ شناخت جو الہام سے پیدا ہوتی ہے بس ہے۔

اگر ہم الہام کو قبول نہ کریں اور صرف عقل کی پیروی کو کافی سمجھیں تو یقیناً ہم ایسے اُمور سے دو چار ہوں گے جن کا انجام بجُز توہّمات اور تخیّلات اور یاس و حرماں کے اَور

---

[1] مضبُوط رسّی

کچھ نہ ہوگا۔ لیکن جنہوں نے عقل و عرفان سے معرفت حاصل کی ہے وُہ لوگ یہاں معرفتِ الٰہی سے آسودہ ہیں اور وہاں صُحبتِ الٰہی سے کامل آسودگی میں داخل ہوں گے۔

چوتھا باب

اِلہام کی شناخت

جب الہام معرفتِ الٰہی کا وسیلہ ٹھہرا تو اب یہ دریافت کرنا باقی رہ جاتا ہے کہ صحیح الہام کہاں ہے، کیونکہ کئی ایک کتابیں ایسی ہیں جن کی نسبت الہامی ہونے کا دعویٰ کیا جاتا ہے۔ اب چونکہ اِن کی بعض تعلیمات آپس میں مُختلف ہیں لہٰذا اِس اَمر کا کھوج لگانا ازبس ضروری ہے کہ اِن میں سے کون سی کتاب الہامی ہے۔

صحیح الہام بڑی فکر اور غور کے بعد معلوم ہو سکے گا۔ لیکن ہر فکر بھی صحیح نہیں ہوتا۔ پس طالبانِ حق کو چاہیئے کہ پہلے وُہ فکر کی صُورت پر غور کریں۔ فکر کرنا اَور بات ہے، اور فکر کی صُورت پر کہ مَیں کس طرح سے فکر کرتا ہُوں غور کرنا اَور بات ہے۔

فکر کی صحّت کے لئے اِتنا ہی کافی نہیں ہے کہ عقلی یا نقلی خیالات یا گزشتہ واقعات کے مُقدّمات کو ذہن میں ترتیب دے کر نتیجہ اخذ کریں۔ مناسب یہ ہے کہ ہم اُن غلطیوں کو زیرِ نظر رکھیں جو اکثر مُقدّمات کے ترتیب دینے میں واقع ہوتی ہیں، ورنہ مقدمات کی ترتیب سے جو نتیجہ نکلے گا وُہ غلط ہوگا اور رُوح کے لئے باعثِ ہلاکت۔

پس اس معاملے میں منبعِ خیالات یعنی حسِّ روحانی کا خلوص تلاش کرنا واجب ہے تاکہ اس میں تعصّب اور جسمانی حمایت اور نفسانی اغراض کی آمیزش شامل نہ ہو کیونکہ اغراضِ نفسانی اور بے جا جوش ہمیشہ صحّتِ فکر میں مانع ہوتے ہیں۔

حسِّ روحانی میں نہ صرف خلوصِ نیّت کی ضرورت ہے بلکہ انسان کی دلی تمنّا بھی یہی ہونی چاہیئے کہ میرا مصمّم ارادہ ہے کہ میں خدا کی مرضی پر چلوں گا، اور کہ میں زمین پر مسافر ہوں۔ میں کچھ عرصہ بعد یہاں سے بالکل چلا جاؤں گا اور یہاں کی سب چیزیں اسی جگہ چھوڑنے والا ہوں۔ مجھے سب دوستوں، سب چیزوں اور دولتوں، سب لذّتوں اور سب عزّتوں سے بڑھ کر اپنا خالق پیارا ہے۔ میں اس کی مرضی اس لئے تلاش کرتا ہوں تاکہ اس پر چلوں۔ یہ ارادہ میرے دل میں زندہ ارادہ ہے گویا کہ ایک چلاّہٹ ہے اس نومولود بچّے کی جو شیرِ مادر کے لئے چلاّ رہا ہے۔

اس کے علاوہ پیش آنے والے مقدّمات کے درمیان ان مدارج کی بھی رعایت کرنی ہوگی۔ مثلاً امورِ عقلی کے متعلق عقل کی طرف اور تجربے کی باتوں کے متعلق تجربے کی طرف اور قدرت کی باتوں میں قدرت کی طرف رجوع کرنا ہوگا اور حکمت کی باتوں کے متعلق حکمت کی تہ تک پہنچنا ہوگا۔ صحّتِ فکری کے لئے ان تمام امور پر غور کرنا اور ان کا لحاظ رکھنا ازبس ضروری اور لابدی ہیں۔

خدا کے مدرسے میں داخل ہونے والوں کے لئے یہ باتیں بطور ابجد کے ہیں۔ وہ شخص جو الہام کی روشنی میں آجاتا ہے اس کا معلّم خدا ہوتا ہے۔ کیا ہر سست اور ٹھٹھا باز اور متکبّر و متعصّب اور خود غرض اور مغرور بھی وہاں داخل ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ مگر سنجیدگی اور اخلاص کے ساتھ ہر شخص حاضر ہو سکتا ہے۔

دنیاوی حکمت سے الٰہی حکمت یقیناً بڑی چیز ہے۔ لیکن دنیاوی حکمت محنت و تندہی کے بغیر ہرگز حاصل نہیں ہو سکتی، اس لئے الٰہی حکمت کے لئے بھی تندہی بلکہ من دہی درکار ہے۔ لیکن لوگ الٰہی حکمت حاصل کرنے کے لئے محنت نہیں کرتے بلکہ بعض اوقات تو علمِ الٰہی کے بارے میں کوئی کتاب دیکھ کر ہی کہہ دیتے ہیں کہ مذہب کوئی چیز نہیں۔ حاصلِ کلام یہ ہے کہ الہامی کتاب کو دریافت کرنے کے لئے سب سے پہلی اور ضروری بات یہ ہے کہ نیک نیّتی اور خلوص کے ساتھ تندہی کر کے فکر کریں۔

صحیح الہام کی شناخت کے لئے الہام کی تعریف اور غرض و غایت کو ہمیشہ مدِّنظر رکھنا چاہیئے۔ الہام کی تعریف حسبِ ذیل ہے:

"الہام ایک روشنی ہے اس کی طرف سے جو قادرِ مطلق اور حکیم علی الاطلاق[1] بلکہ جامع جمیع صفاتِ کمال ہے۔"

---

[1] آزادِ مطلق

اِلہام کی غرض یہ ہے کہ عقل کو زیادہ بصیرت دے اور رُوح کی پیاس کو بُجھائے، کچھ بتلائے اور کچھ عنایت کرے۔

پس الہام کی شناخت کے لئے خلوصِ نیّت کے بعد سب سے بڑی اور مُعتبر علامات یہی ہیں کہ اُس میں تعریف اور غرض و غایت کی شرائط پائی جائیں۔

اِلہام ایک روشنی ہے

چونکہ الہام ایک روشنی ہے، اِس لئے جہاں وہ ہوگا وہاں اِس کے وسیلے سے سب کچھ صاف نظر آئے گا۔ جس طرح جہاں آفتاب ہے وہاں روشنی ہے اور جہاں وہ نہیں ہے وہاں اندھیرا ہے۔ جس مُلک میں، جس مقام میں، جس خاندان میں اور جس آدمی کے دِل میں اِلہامی خیالات ہوں گے وہاں ضرور روشنی ہوگی۔ وہاں بدی اور نیکی ہر دو صِفات صاف ظاہر ہوں گی۔

یہ روشنی قادرِ مُطلق کی طرف سے ہے

اس دُنیا و مافیہا کو قادرِ مُطلق نے بنایا ہے۔ تخلیقِ کائنات کے وقت کیسی قدرت نمایاں ہُوئی ہوگی! اگرچہ ہم اُس وقت موجود نہ تھے کہ اُس عظیم الشّان قدرت کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے کہ اُس

نے کہا "ہوجا" اور ہوگیا، لیکن جب ہم غور کرتے ہیں تو گویا اُس لاثانی قدرت کو اپنی آنکھوں سے نہایت حیرت سے دیکھتے ہیں۔ اور پھر دُنیا کا نظام اور ترتیب خود اِس کی گواہی دیتی ہے کہ اِس کا خالق وُہ خُدا ہے جو اپنی ذات اور صفات میں بے مثل اور لاشریک ہے۔

پس الہام میں بھی یہ صِفت ہونی چاہیئے کیونکہ الہام اُس کا قول ہے اور جہان اُس کا فعل۔ قول اور فعل میں مُطابقت ازبس ضروری ہے۔

اگر کوئی شخص بائبل مُقدّس پر غور کرے تو جانے گا کہ آدم سے لے کر مُوسیٰ تک خُدا نے اپنے خاص الخاص بندوں کو اپنے الہام سے سرفراز فرمایا جو عجیب قدرت کے ساتھ ظاہر ہوتا رہا۔ پھر مُوسیٰ سے لے کر المسیح تک خُدا کی ساری مرضی جو جہان کے لئے ظاہر کی گئی ہے اُس کے اوّل اور آخر اور درمیان میں بھی وُہی قدرت نمایاں تھی جس کا مُختصر طور پہ ذِکر کرنا خالی از فائدہ نہ ہوگا۔

خروج ۸: ۱۹ میں مرقوم ہے "تب جادُوگروں نے فرعون سے کہا کہ یہ خُدا کا کام ہے" اور لُوقا ۱۱: ۲۰ میں لکھا ہے، "اگر مَیں بدرُوحوں کو خُدا کی قدرت سے نکالتا ہُوں تو خُدا کی بادشاہی تمہارے پاس آپہنچی"۔ یہ اشارہ ہے اُس قدرت کی طرف جو ظہورِ الہام کے وقت ظاہر ہوئی تھی۔

لیکن آج بھی بائبل مُقدّس کے ساتھ ایک غیبی طاقت اور الٰہی

حمایت صاف صاف نظر آتی ہے - اگرچہ مخالفین اُس کی مخالفت میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھتے تو بھی یہ الٰہی کتاب فتحیاب ہوتی چلی جارہی ہے اور کوئی باطل خیال اُس کے سامنے ٹھہر نہیں سکتا - اِس کتاب کی نسبت شروع سے لے کر آج تک کہا جاتا رہا ہے کہ اِس نے جہان کو اُلٹ دیا ہے اور یہ سچ ہے کہ اُلٹ دیا اور الٹتی چلی جارہی ہے - اگرچہ دُشمنوں کی دُشمنی اِس کے ساتھ ساتھ چلتی ہے، تاہم وُہ خود مِٹتے جاتے ہیں لیکن بائبل مُقدّس ترقّی کرتی جاتی ہے - دیکھئے! یہودیوں کی مخالفت کہاں گئی اور رومیوں کی دُشمنی کدھر گئی اور یُونانیوں کا تعصّب کہاں گیا؟ اب بھی جس مُلک میں یہ کتاب جاتی ہے لوگ اِس کی مخالفت کرتے ہیں لیکن رفتہ رفتہ خود بخود مغلوب ہوتے جاتے ہیں -

بائبل مُقدّس اپنے پیروؤں کے دِلوں میں ایسی تاثیر کرتی ہے جس سے مالک، خاندان اور ہر آدمی مُنوّر ہو کر خُدا کی قدرت ظاہر کرتا ہے - پس یہ لازوال اور عجیب قدرت جو بائبل کے ساتھ ہے گواہی دیتی ہے کہ یہ کتاب قادرِ مُطلق کی طرف سے ہے -

اِلہام اُس حکیمِ مُطلق کی طرف سے ہے

چونکہ تمام مَوجُودات میں ایک عجیب حِکمت اور ترتیب نظر آتی ہے اِس لئے ہم کہتے ہیں کہ خُدا نے اِسے حِکمت سے پیدا کیا ہے - اگرچہ اِن حِکمتوں میں سے چند کی اِنسانوں کو بھی کچھ کچھ سمجھ ہے تو بھی

بہت سی حِکمتیں ایسی ہیں جو اُن کے فہم سے بالا تر ہیں - ہماری یہ حالت کہ بعض باتوں کو سمجھتے ہیں اور بعض کو نہیں سمجھتے اِس بات کی دلیل ہے کہ جہان قادرِ مُطلق کا بنایا ہُوا ہے -

یہی حال اُس کے اِلہام کا ہے - کتابِ مُقدّس میں بہت سی باتیں ایسی ہیں جنہیں ہم خُوب سمجھتے ہیں لیکن بعض باتیں بڑی گہری ہیں اور ہمارے فہم سے باہر ہیں - پس اگر جہان کی حالت اِس بات کی دلیل ہے کہ یہ جہان حکیمِ مُطلق کا بنایا ہُوا ہے تو الہام کی یہ حالت بھی اِس بات کی دلیل ہے کہ یہ اُسی کا قول ہے جو اِس جہان کا خالق ہے -

اگر اِلہام کی ساری باتیں ہماری عقل میں آسکتیں تو ہم صاف اِنکار کرتے اور کہتے کہ یہ الہام نہیں بلکہ کسی آدمی کی عقل سے نِکلی ہُوئی باتیں ہیں - یہ عجیب بات ہے کہ جو دلیل بائبل مُقدّس کے ثبُوت کی ہے اِسی کو لوگوں نے اِس کی تردید کی دلیل بنایا ہُوا ہے - یہ غلطی اِس لئے واقع ہُوئی کہ اُنہوں نے اپنی صُورتِ فکر کا خیال نہیں کیا جس کا ذکر مَیں نے اِس کتاب کے شروع میں کیا ہے -

چونکہ الہام جامع جمیع[1] صفاتِ کمال کی طرف سے ہے، اِس لئے لازم ہے کہ اُس سے خُدا کی بزُرگی کامل طور پر ظاہر ہو - ہم دُنیا میں کوئی تعلیم ایسی نہیں دیکھتے کہ بائبل مُقدّس سے بڑھ کر خُدا کی عزّت دِکھا سکے اور اُس کی صِفاتِ کمال کا انکشاف بخشے - ہاں

---

[1] جس میں کمال کو پہنچی ہُوئی تمام خوبیاں جمع ہوں - مجازاً خُدا -

ناواقف لوگ جن مقامات پر اعتراض کرتے ہیں ہم انہی مقامات میں اُس کی زیادہ بزرگی دیکھتے ہیں اور دکھا بھی سکتے ہیں۔ چنانچہ آئندہ بیانات میں وقتاً فوقتاً اِن کا ذکر آئے گا۔ اِس قسم کے لوگوں کا نشان یہ ہے کہ وُہ نہ تو کتابِ مُقدّس کی اصطلاحات سے واقف ہیں اور نہ اُن اسرار سے جو اِس میں پائے جاتے ہیں۔ چونکہ وُہ بائبل مُقدّس کو سمجھتے نہیں اِس لئے وہ اپنی اصطلاحوں اور اپنے ہی فاسد خیالات کی بنا پر اعتراض گھڑ لیتے ہیں۔ لیکن اب چونکہ کتابِ مُقدّس کا علم وسیع ہوتا جارہا ہے اِس لئے اُن کے اعتراضات خُود بخود اُڑتے جاتے ہیں۔ شروع شروع میں بائبل مُقدّس پر اُن کے اعتراضات کچھ اَور تھے اور اب کچھ اَور ہی ہیں۔

اِلہام کی غرض یہ ہے کہ عقل رَوشن تر ہو جائے۔

بائبل مُقدّس ہماری حالت، نیکی، اور بدی اور خُدا کی خُدائی کو دِکھاتی ہے۔ اِس کی یہ خُوبی ہے کہ یہ عقل کی مدد کرتی اور اِسے رَوشن تر بنا دیتی ہے۔

اِلہام کی غرض یہ ہے کہ اُس سے روحانی اِقتضا پورا ہو۔

تنہا عقل نے اور دُوسرے مُعلّموں کی کتابوں نے رُوح کی خواہش

کو کبھی پُورے طور پر نہیں سمجھا، چہ جائیکہ وُہ اُس کی تکمیل کرتے۔ لیکن بائبل مُقدّس نے نہ صرف اِس خواہش کو آدمیوں میں دِکھایا ہے بلکہ اُسے پُورا کرنے کا عِلاج بھی بتایا ہے۔ اگر عقل نے یا اُن مُعلّموں نے کچھ کچھ سمجھا بھی تو تکمیل کی بجائے مایوسی کی راہ دِکھائی اور رُوح کو ابدی خوشی سے ناامید کر دیا یا باطل اُمیّد میں پھنسائے رکھا۔

اِلہام کی غرض یہ تھی کہ رُوح کو کچھ بخشے بھی

اِس وقت رُوح کو گناہ اور گناہ کے عذاب سے رہائی اور یقین کے ساتھ ابدی خوشی درکار ہے۔ بائبل مُقدّس بتاتی ہے کہ رُوح یہ ابدی خوشی کیونکر حاصِل کر سکتی ہے۔

یہ دو انعام صِرف اُسی شخص کو مِلتے ہیں جو بائبل مُقدّس کے بتائے ہوئے رستے پر چلتا ہے۔ اگر کوئی اِس دعویٰ کو پرکھنا چاہتا ہے تو لازم ہے کہ کتابِ مُقدّس کے پیروکاروں کے اَفعال واقوال اور حرکات کا موازنہ غیر لوگوں کے افعال واقوال اور حرکات وسکنات کے ساتھ کرے۔ لیکن یہ مُقابلہ ہمیشہ خواص میں کیا جاتا ہے نہ کہ عوام میں۔ کیونکہ لوگ جیسے جسم اور عقل میں مُختلِف ہوتے ہیں وَیسے ہی رُوح میں بھی مُختلِف ہوتے ہیں۔

پانچواں باب

رُوح کیا ہے؟

اِنسانی رُوح کے مُتعلق بھی لوگوں نے بہُت ہی غور و فکر کیا ہے اور اب تک کر رہے ہیں۔ لیکن عقل کے لئے یہ بہُت ہی مشکِل ہے کہ تنہا اِس کی حقیقت کو دریافت کر سکے، تاہم اِس کے لئے صحیح خیال پیدا کرنا واجب ہے کیونکہ اِنسان کی تمام تر کوشش اِسی کے لئے ہے۔ اگر رُوح ایک اعلیٰ حقیقت اور ناقابلِ فنا ہے تو اِس سے بہتر اور کونسی چیز ہے جس کے ہم طالب ہوں! اور اگر یہ کوئی بے حقیقت چیز اور فانی ہے تو ہم ناحق اِس کے لئے اِس قدر تکالیف اٹھا رہے ہیں۔ پس اِس کے متعلق ہم اپنا خیال پیش کرتے ہیں۔

رُوح کے مُتعلق تین قِسم کے خیالات پائے جاتے ہیں۔ اوّل یہ کہ وُہ خُدا کا اَمر ہے۔ اِس سے زیادہ ہمیں کچھ معلوم نہیں۔ دُوم یہ کہ خالق کی جنس میں سے ہے جیسے یونان کے کسی شاعر نے کہا کہ ہم خُدا کی نسل سے ہیں۔ اِسے قدیم تصوّف کا خیال کہنا بجا ہوگا۔ سوم یہ کہ وُہ ایک قِسم کے بخارے ہیں جو جِسم کی ترکیب سے مُتولّد ہوتے ہیں۔ یہ خیال جسمانی حکیموں کا ہے۔ عقل کی ناچاری مُلاحظہ کریں کہ اپنے قریب کی چیز کو بھی دریافت کرنے

میں کِس قدر عاجز ہے۔ کیا وُہ خُدا جِس نے ہمیں غور و خوض کرنے کا مادہ عنایت کیا اور طاقتِ فکری بخشی اور اِنسانی ذہن کو کسی قدر رسائی عطا کی اور رُوحانی اور جسمانی علوم کے حصُول کے اسباب مہیّا کئے، ہماری ذات ہی کے عِلم سے ہمیں محرُوم رکھے گا؟ ہرگز نہیں۔

الہام الٰہی ہمیں یہ بتاتا ہے کہ رُوحِ اِنسانی ایک ہَوا ہے مگر دُنیاوی ہَوا نہیں بلکہ کسی دُوسرے جہان کی ہَوا۔ اِس کا نام زِندگی کا دَم ہے جو خاص خالقِ مَوجُودات سے نِکلا ہے اور اُس سے نِکل کر براہِ راست آدمی میں آیا ہے۔ سب حیوانات کی جانیں اُس نے حُکم سے پیدا کیں مگر اِنسان میں اُس نے آپ زِندگی کا دَم (رُوح) پھونکا۔

یہ ایک علیحدہ خیال ہے جسے چوتھا خیال کہنا چاہیئے۔ یہ تیسرے خیال کی بالکل ضِد ہے اور اُسے ردّ کرتا ہے اور اُسے ردّ کرنے کی دلیل بھی اپنے اندر رکھتا ہے۔ یہ بتلاتا ہے کہ وُہ ایک خاص ہَوا ہے جو خالق سے نِکلی ہے۔ وہ نادیدنی چیز ہے اِس لئے حکیموں کو نظر نہ آئی۔ اِسی لئے اُنہوں نے اِسے فانی بخارے کا نام دِیا۔

یہ خیال پہلے خیال کی تردید نہیں کرتا مگر یہ بتلاتا ہے کہ پہلا خیال موٹا خیال ہے اور عام سی بات ہے جس سے ذہن میں کچھ روشنی نہیں آسکتی۔ لیکن دُوسرے خیال میں اور اِس میں ایک بڑا نازک فرق ہے جو نہایت خطرناک بھی ہے۔ زِندگی کا دَم جو خُدا سے نِکلا وُہ اگرچہ خُدا کی جِنس اور الوہیّت کا جُزو نہیں ہے تاہم وُہ خُدا کے ساتھ ایک خاص نسبت رکھتا ہے جو دِیگر مخلوقات کی نسبت سے زیادہ ہے۔

زندگی کا دَم جو خُدا نے اِنسان میں پھُونکا کیا چیز ہے، کوئی اِنسان بتلا نہیں سکتا۔ جیسے خُدا کے سمع و بصر وغیرہ کچھ اَور ہی چیز ہیں وَیسے ہی اُس کا دَم بھی کچھ اَور ہی شے ہے۔

اِس اِلہامی تعلیم کا خلاصہ یہ ہے کہ رُوحِ اِنسانی مخلُوقات سے بالاتر چیز ہے اور جسمِ اِنسانی دُنیاوی چیز ہے اور اِن کے میل سے اِنسان بنا ہے۔ حکیموں نے کہا ہے کہ جسم گھٹتا اور بڑھتا ہے اور رُوح بھی اُس کے ساتھ گھٹتی اور بڑھتی ہے، اِس لئے ہم کہتے ہیں کہ وُہ فانی جسم سے مُتولّد ہے۔

لیکن یہ تسلّی بخش قیاس نہیں ہے کیونکہ جسم عالمِ اجسام کے انتظام کے موافق ضرُور گھٹے اور بڑھے گا لیکن رُوح آسمانی مخلُوق ہونے کے باعث اپنے مسکن یعنی جسم کی گنجائش یا طاقت اور ظرف کے موافق اُس میں جلوہ گر ہوگی، کیونکہ اُس کا ظہُور انتظامِ جہان کے موافقِ جسم میں ہُوا ہے۔ لیکن وُہ ایک مُستقِل مخلوق ہے۔

وُہ جو جسم کے گھٹنے بڑھنے کو دیکھ کر کہتے ہیں کہ رُوح کوئی مُستقِل جوہر نہیں ہے، اُنہیں اِس بات کے اِمکان پر بھی خیال کرنا چاہیئے کہ مظہرِ رُوح یعنی جسم عالمِ اجسام کے اِنتظام کا ضرُور پابند ہے اور رُوح کا ظہُور یقیناً جسم کے مُطابق ہوتا ہے لیکن وُہ شخص جو رُوح کا ظہور جسم کی ہر حالت میں کامل طور پر مانتا ہے گویا وُہ یہ چاہتا ہے کہ رُوح اِس اِنتظام کو توڑ کر ظاہر ہو تب مَیں اُسے مُستقِل جوہر مانُوں گا۔ لیکن یہ بات محال ہے۔

اِس بات کو یاد رکھنا چاہیئے کہ رُوح کی ترقّی اور تنزّل جو بدن

کی قُوّت اور ضُعف کے لحاظ سے ہوتی رہتی ہے دیکھ کر ہم اُسے عناصر کی ترکیب سے پیدا شُدہ ہرگز نہیں کہہ سکتے، کیونکہ رُوح میں کچھ فضائل نظر آتے ہیں جن کا جسم اور وہم سے پیدا ہونا ممکن نہیں۔

پہلی فضیلت

رُوحِ انسانی کا مسکن جو تمام مادّی اشیاء سے نہایت افضل اور عظیم الشّان ہے، مکین کی شان کو ظاہر کرتا ہے۔ یہ اِس بات کی دلیل ہے کہ اِنسان کے بدن میں ایک ایسی عزّت دار چیز رہتی ہے جو تمام دیدنی مَوجُودات میں بے نظیر ہے۔ گویا یہ حاکم کا محل ہے اور باقی موجُودات رعیّت اور اُن کے مسکن نوکروں کے جھونپڑے ہیں۔

دُوسری فضیلت

رُوح میں تمام اعلیٰ مراتب حاصل کرنے کی ایک ایسی استعداد ہے جو تمام دیدنی مَوجُودات پر ایک عجیب فوقیت رکھتی ہے۔

تیسری فضیلت

تمام حیوانوں میں سِفلی صفات یعنی شہوت، عداوت، غضب،

خُود غرضی، بے حیائی اور بے رحمی وغیرہ بشدّت نظر آتی ہیں، مگر رُوحِ اِنسانی میں فضائلِ عُلویہ کی کرنیں بکثرت چمکتی ہیں مثلاً محبّت، خُوشی، صُلح، خیر خواہی، فروتنی اور پرہیز گاری وغیرہ کی خواہشات۔ اب اِس بات پر غور کرنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جسم کی خواہشیں اَور ہیں اور رُوح کی اَور یعنی اِن میں بڑا فرق ہے۔ یہ اس لئے ہے کہ جسم اِس جہان کا ہے جبکہ رُوح عالمِ بالا کی مخلُوق ہے۔

چوتھی فضیلت

رُوح میں دو۲ عجیب مقصد نظر آتے ہیں یعنی ابدیّت کی خواہش اور حقیقی خُوشی کی اُمنگ۔ اور یہ باتیں عُلوئیّت یعنی اعلیٰ و بالا ہونے کی علامات ہیں۔ چونکہ رُوح میں یہ علامتیں مَوجُود ہیں لہٰذا رُوح کو عالمِ بالا سے ایک خاص نسبت ہے۔

پانچویں فضیلت

جو خواہشات رُوح میں موجُود ہیں اِس جہان کی چیزوں سے کبھی پُوری نہیں ہوسکتیں بلکہ خالق ہی سے پوری ہوسکتی ہیں۔ اگر رُوح کو سارے جہان کی چیزیں اور حشمت اور خُوشی دے دی جائیں تو بھی وُہ سیر نہیں ہوسکتی۔ لیکن جب وہ خُدا سے ایک

لفظ بھی سُن لیتی ہے تو اُس میں بڑی سیری آ جاتی ہے۔ اِس سے خُوب ظاہر ہے کہ رُوح اِس پست حال دُنیا کی نہیں بلکہ عالم بالا کی ہے کیونکہ ہر چیز اپنے کرُے کی طرف رغبت رکھتی ہے۔

چھٹی فضیلت

وُہ اَرواح جنہیں اِس جہان کی آلُودگیوں نے کم دبایا ہے اپنی نقلِ مکانی کے لئے کچھ جمع کرتی ہیں، اور بہت سی رُوحیں ایسی ہیں جو تھرتھراتی ہیں اور اپنے اِنتقال کے وقت کوئی قوی آسرا ڈھونڈتی ہیں۔ یہ بات اِس جہان کے دیگر اجسام میں نظر نہیں آتی۔ پس اِن باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اِنسانی رُوح اِس جہان کی چیز نہیں ہے۔ وُہ ضرور عالمِ بالا سے ایک خاص نسبت رکھتی ہے۔

اِس سے ہمیں یقین ہوتا ہے کہ الہامی بیان جو اس کی نسبت ہے دُرست ہے اور ہم الہام کے شکر گزار ہیں کہ اُس نے رُوح کی بابت عقل کی نسبت زیادہ بتایا ہے۔ نیز یہ کہ ہم نہ تو حقیر اور ناچیز ہیں اور نہ مثل حیوانوں کے ذلیل ہیں بلکہ خُدا کے فضل سے کوئی عمدہ شے ہیں۔ لیکن افسوس کہ ہم اپنی رُوح کی قدر نہیں جانتے۔

اب رہی یہ بات کہ رُوح کِس حالت میں ہے یعنی فانی ہے یا غیر فانی؟ بعض کہتے ہیں فانی ہے اور جسم کے ساتھ فنا ہو جائے گی۔ مگر یہ بات قابلِ قبول نہیں ہے کیونکہ بدن (جو رُوح کا مسکن ہے) کے اعتبار سے یہ حُکم لگایا گیا ہے نہ کہ نفسِ رُوح کے اعتبار

سے۔ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ جسم اِس جہان کا ہے اور رُوح اُس جہان کی اور دونوں کی خواہشوں میں اِختلاف ہے، البتہ کچھ عرصے کے لئے وُہ بدن میں جو اُس کا مسکن ہے رہتی ہے لیکن مسکن کی بربادی سے رُوح کی بربادی نہیں ہوتی۔

عِلاوہ ازیں عقل سے نہ تو ہم اِنسان کی اِبتدا معلوم کر سکتے ہیں اور نہ انتہا اور نہ رُوح کی ماہیّت ہی دریافت کر سکتے ہیں۔ پس نامعلوم سے ایک معلوم کا نکالنا کِس طرح ممکن ہے؟ ہاں جسم کے علاقے سے ممکن ہے لیکن اُس کے ساتھ تو جسم کا حقیقی علاقہ ثابت نہیں ہوتا۔ پس ایسی حالت میں یہ نتیجہ نکالنا کہ رُوح فانی ہے صحیح معلوم نہیں ہوتا۔

پھر اِس جہان کا اِنتظام اگرچہ بظاہر اِنسان کے ہاتھ میں ہے لیکن درحقیقت یہ مُدبّرِ اعلیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اور یہ اِنتظام موقوف ہے اِس بات پر کہ رُوح غیر فانی ہے اور اُسی عالم الغیب کے سامنے جوابدہ ہوگی۔ اگر یہ اعتقاد کہ رُوح فانی ہے عالمگیر ہو جائے تو جہان کا اِنتظام بالکل برباد ہو جائے اور سب ہلاک ہو جائیں۔ پس ہمارے خالق کی طرف سے ہمارے اِنتظام کی صورت ظاہر کرتی ہے کہ ہم غیر فانی ہیں اور نا ممکن ہے کہ وُہ فریب دے۔

اگر رُوح فانی ہے تو پھر نیکی کا اَجر اور بدی کی سزا کی توقع رکھنا عبث ہے، اور خُدا کے وجُود کا اِقرار کرنا اُس سے بھی عبث تر ہوگا۔

مسیح خُداوند نے سب سے زیادہ رُوح کے غیر فانی ہونے کا ثبوت دیا ہے۔ مثلاً جب مُنکرانِ قیامت اور رُوح کے فنا کے قائل لوگ اُن کے پاس آئے تو آپ نے اُن کو جواب دیا: "کیا تُم نے مُوسیٰ کی کتاب میں جھاڑی کے ذِکر میں نہیں پڑھا کہ خُدا نے اُس سے کہا کہ مَیں ابرہام کا خُدا اور اضحاق کا خُدا اور یعقوب کا خُدا ہُوں۔ وُہ تو مُردوں کا خُدا نہیں بلکہ زِندوں کا ہے"
(مرقس ۱۲: ۲۶-۲۷)۔

المسیح نے خُدا کی ہستی کو ثابت کر کے یہ تعلیم دی کہ رُوحیں غیر فانی ہیں کیونکہ خُدا ہے اور اُس کی ہستی میں کچھ شک نہیں ہے تو ضرور رُوح غیر فانی ہے، کیونکہ جب رُوحوں کا خالق زندہ اور ابد تک موجود ہے تو پھر رُوحیں بھی ابد تک موجود ہو سکتی ہیں۔ اور جب اُس میں وُہ قدرت ہے جس پر جہان قائم ہے تو اور بھی زیادہ ثابت ہے کہ خُدا قائم رکھ سکتا ہے۔ اور مسیح نے یہ بھی بتلایا کہ ابرہام، اضحاق اور یعقوب مر گئے تو بھی وہ موجود ہیں۔ وُہ خُدا کی طرف مُضاف ہیں۔ زِندہ خُدا معدوم شے کو اپنی طرف مُضاف نہیں کرتا۔ یہ لوگ اگرچہ جسمانی طور پر مر گئے تو بھی رُوح کے لحاظ سے کہیں موجود ہیں۔ اور جھاڑی کے اشارے میں یہ بھی بتلایا گیا ہے کہ اگرچہ موت کی آگ میں ہم پھنس جاتے ہیں تو بھی فنا نہیں ہوتے کیونکہ قادرِ مطلق ہماری حفاظت کرتا ہے جیسے بُوٹا آگ میں جلتا نہ تھا۔

اِس کے عِلاوہ المسیح نے لعزر کو جِلا کر اور یائیر سردار کی

لڑکی کو زندہ کر کے اور شہر نائن کی بیوہ کے بچّے کو جنازے سے کھڑا کر کے عملاً ثابت کیا کہ رُوح موت کے بعد فنا نہیں ہو جاتی بلکہ زندہ رہتی ہے۔ اور پھر آخر میں آپ نے اپنی صلیبی موت اور جی اُٹھنے سے اِس اَمر کا ایسا ثبوت دیا کہ جس میں کِسی طرح کا شک ہی باقی نہ رہا۔

چھٹا باب

رُوح کی مَوجُودہ حالت

گزشتہ اَوراق میں اِس بات کا ذِکر ہُوا کہ اِنسانی رُوح کوئی معمُولی مخلُوق نہیں ہے بلکہ اِس میں عالم بالا کی خوبیاں ٹمٹماتی ہیں۔ اِس کی خواہشیں صِرف خدا میں پُوری ہوتی ہیں اور کہ یہ غیر فانی شے ہے۔

آج رُوح کی ایک دُوسری خطرناک حالت بیان کریں گے جو مذکورہ بالا کی نسبت زیادہ واضح ہے۔ اگر رُوح فنا ہوتی تو کچھ خوف نہ تھا، مگر یہ حالت جس کا ذِکر کیا جاتا ہے فنا کی نسبت زیادہ خوفناک ہے۔ اِس خطرناک حالت کا بیان تو بہت بڑا ہے لیکن مُختصراً کچھ ذِکر کرتا ہُوں۔

اِنسان کی رُوح پر ایک قسم کی تاریکی چھائی ہُوئی ہے

یہ تاریکی تین طریقوں سے ثابت کی جا سکتی ہے:

۱۔ روحانی باتوں سے سخت بے خبری۔ یہ بعض آدمیوں

میں صاف ظاہر ہے کہ اُن کی رُوح اپنے خالق و مالک کی نسبت کس قدر بے خبر ہے اور اُس کی مرضی پر چلنے سے غافل ہے اور اپنی نسبت کہ مَیں کون ہُوں اور کِس حالت میں ہوں اور مجھے کِس حالت میں ہونا چاہیئے کچھ نہیں جانتی ہے۔

۲۔ بُرے کاموں میں منہمک رہنا اِس تارِیکی کو ظاہر کرتا ہے۔ جھُوٹ، کینہ، بُغض، خودغرضی، حَسد، لالچ، کُفر اور غرُور وغیرہ جو آدمیوں کے اندر سے نکلتے ہیں یہ سب ظاہر کرتے ہیں کہ رُوح تاریکی میں ہے۔

۳۔ مکرُوہات اور خواہشاتِ نفسانی کا ہجُوم جو انسان کی رُوح پر غالب ہے، یہ بھی اِس بات کا ثبوت ہے کہ اُس پر تاریکی چھائی ہُوئی ہے۔ انسانی روح کی اِس تارِیکی سے تو ہم واقف ہیں مگر یہ نہیں بتلا سکتے کہ یہ کہاں سے آگئی ہے۔ ہاں رُوح کی بے چینی ظاہر کرتی ہے کہ یہ اِس کی اصل حالت نہیں۔ لیکن یہ کہ یہ مرض اُسے کہاں سے لگ گیا عقل کچھ نہیں بتا سکتی۔ مگر اِلہام بتلاتا ہے کہ یہ توجّہِ اِلٰہی کے نہ ہونے کا نتیجہ ہے، یا خُدا سے دُوری کا اندھیرا ہے، یا خُدا سے نسبتِ خاص میں گُناہ کے سبب فرق آجانے کا اندھیرا ہے۔

اور ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ یہ تاریکی نہ تو سُورج کی روشنی سے، نہ علومِ دُنیاوی کی روشنی سے اور نہ بدنی یا رُوحانی ریاضت

سے دُور ہو سکتی ہے، کیونکہ اہلِ علم اور اہلِ ریاضت میں بھی دُوسرے لوگوں کی طرح یہ اندھیرا پایا جاتا ہے۔ لیکن قربتِ الٰہی ضرور اِس تاریکی کو دُور و دفع کرنے کا موجب بنتی ہے کیونکہ جس قدر رُوح خُدا کے نزدیک ہوتی جاتی ہے اُسی قدر روشنی آتی جاتی اور تاریکی دُور ہوتی جاتی ہے۔

ایک قسم کی غفلت اور غنُودگی رُوح پر طاری ہے

یہ غنُودگی بھی تین باتوں سے ثابت ہوتی ہے:

۱۔ رُوح جانتی ہے کہ مَیں مُسافر ہُوں، اِس کے باوجود بھی وُہ اِس عارضی قیام گاہ یعنی دُنیا کو اپنی قیام گاہ جان کر اُس کی طرف مائل ہوتی ہے، جیسے چلتے ہُوئے مُسافر نیند کے سبب سے ٹھنڈی ہوا میں درختوں کے نیچے سونے کی طرف مائل ہُوا کرتے ہیں۔

۲۔ عبرت اور دانائی اور تنبیہ کے تازیانے بار بار انسانی رُوح کو بیدار کرتے ہیں لیکن وُہ تھوڑی دیر کے لئے آنکھ کھولتی ہے اور پھر سو جاتی ہے۔ غرضیکہ غضب کی غنُودگی میں گرفتار ہے۔

۳۔ یقینی خطرے میں بھی رُوح میں عجیب بے پروائی اور بے فکری دیکھی جاتی ہے۔ یہ بھی غفلت و بے پروائی کا ثبوت ہے۔ یہ غنودگی اور غفلت ایسی ہے جیسے آدمی نشے کی حالت میں ہو

یا جیسے سانپ کے ڈسے ہوئے پر زہر چڑھا ہوا ہو جو سونے کے علاوہ اور کسی چیز کا نام تک نہیں لیتا۔

عقل نہیں بتا سکتی کہ یہ غنودگی کہاں سے آ گئی۔ اگرچہ یہ رُوح کے فضائل مذکورہ کے تو ضرور خلاف ہے تو بھی پیدائش ہی سے رُوحِ انسانی میں پائی جاتی ہے۔

اِلہام بتلاتا ہے کہ یہ انسان کی جڑ میں آ گئی تھی۔ اِس کا علاج نہ کوئی طبیب کر سکتا ہے نہ کوئی جادوگر، نہ عامل، نہ عالم، نہ امیر اور نہ فقیر، لیکن خدا اِس کا علاج کرنے پر قادر ہے۔

اِنسانی رُوح دو متضاد کشمکشوں میں گرفتار ہے

رُوح کو نیکی اپنی طرف کھینچتی ہے اور بدی اپنی طرف۔ آزادی ایک طرف کھینچتی ہے اور قید دُوسری طرف۔ تنگ راہ اپنی طرف کھینچتی ہے اور کُشادہ راہ اپنی طرف۔ لیکن یہ دونوں کشمکشیں باوجود سخت گرفت کے رُوح پر جبراً دست اندازی نہیں کر سکتیں اور نہ اپنی طرف مائل کر سکتی ہیں تاوقتیکہ رُوح اُس پر راضی نہ ہو۔ یہ ایک سخت خطرناک حالت ہے کیونکہ جیسے ابدی خوشی میں داخل ہونے کی اُمید ہے ویسے ہی ابدی ہلاکت میں پھنس جانے کا بھی خوف ہے۔

اِنسانی رُوح ایک ہی آقا کی خدمت کر سکتی ہے

رُوح ایک خادم کی مانند ہے جسے دو آقا اپنی اپنی خدمت کے لئے بُلاتے ہیں۔ خدا اِس کو اِلہام کے وسیلے سے اپنی خدمت کے لئے بُلاتا ہے اور شیطان دُنیاوی خواہشات کے ذریعے اپنی خدمت کے لئے بلاتا ہے۔ یہ تو ناممکن ہے کہ اِن دونوں میں سے وُہ کسی کی بھی خدمت نہ کرے۔ وہ کبھی بیکار رہ نہیں سکتی کیونکہ وُہ خدمت کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ وُہ ہر وقت کسی نہ کسی کام میں لگی رہتی ہے خواہ وُہ شیطان کا ہو یا رحمان کا۔ چونکہ آقا مخالف ہیں اِس لئے اجر بھی مخالف ہوں گے۔ جب تک کامل تسلّی نہ ہو کہ مَیں کس کی طرف ہُوں اور کس کی خدمت کرتا ہُوں اُس وقت تک بے حد تشویشناک بات ہے۔

اِنسانی رُوح پر ابدی مَوت کا سایہ ہے

رُوح نہ صرف اِنتقال کے ماتحت ہے کہ اُسے اِس دُنیا سے نقلِ مکانی کرنا ہو گا بلکہ ابدی مَوت بھی اُس پر سایہ ڈالے ہُوئے نظر آتی ہے۔ اِس کا ثبوت ذرا غور طلب ہے جو دو طرح سے ہے:

۱- گُناہ کے باعث اِنسانی رُوح ذاتِ الٰہی سے جُدا ہو گئی ہے مگر اُن لوگوں کی رُوح نہیں جنہوں نے مسیح کو اپنا شخصی نجات دہندہ قبول کیا ہے جس کے باعث وہ ذاتِ خُداوندی میں شامل ہو گئے ہیں۔ اب ان میں الٰہی محبّت، پاکیزگی اور خراندیشی پائی جاتی ہے۔ لیکن جس رُوح میں یہ باتیں نہیں وُہ ضرور الٰہی طبیعت سے جُدا ہے اور یہ جُدائی مُوجب غضبِ الٰہی ہے۔

۲- جسمانی مزاج یعنی وُہ مزاج جو رُوحانیت پر جسمانیت کا غلبہ ظاہر کرتا ہے، اُس کی علامت غُصّہ، خُود غرضی اور شہوت پرستی ہے۔ یہ ابدی مَوت کے سایہ کا نشان ہے۔

رُوح اپنی طاقت سے گُناہ پر غالب نہیں آسکتی

اِن سب خطرناک باتوں میں اِنسان ایسا مُقیّد نظر آتا ہے کہ اگر وُہ نکلنا چاہے تو بھی اپنی طاقت سے نہیں نکل سکتا۔ وُہ نہ تو آپ چھُوٹ سکتا ہے اور نہ کوئی اَور چیز سوائے خُدا کے اُسے چھُڑا سکتی ہے۔ وُہ ایسا ہے جیسے جیل خانے میں قیدی ہوتے ہیں یا جیسے چڑیا لوہے کے پنجرے میں بند ہوتی ہے۔ ہزار پھڑپھڑائے اور ریاضت کی چونچ مارے اور ذِکر، فکر، مجاہدہ، مراقبہ وغیرہ کی تدبیریں نکالے، اِس قید سے نکلنا محال ہے۔ وُہ اُس وقت

ہی نکل سکتا ہے جب کوئی باہر سے قفس کا دروازہ کھول دے۔

اگر رُوح کی اَصلیّت اور فضائل پر سوچیں اور اِس خطرناک حالت پر غور کریں تب ہی نجات کی ضرورت معلوم ہوتی ہے۔ نجات کے معنی بھی یہی ہیں کہ کوئی ہمیں اِس حالت سے نکالے اور اِسی زمینی زِندگی میں نکالے۔

اِس بات کی ضرورت ہے کہ خُدا ہمیں اِس بُری حالت سے ابھی نکالے اور الٰہی مزاج بخشے۔ تب تو ہماری نجات ہو گی، لیکن اگر ہم اپنے گُناہوں اور اِس بُری حالت میں پھنسے ہُوئے مَر گئے تو ضرور ابدی ہلاکت کے وارث ہوں گے۔ یہ ناممکن ہے کہ جہاں عادل تختِ عدالت پر بیٹھا ہو وہاں بخشش ہو۔ پس مناسب تو یہ ہے کہ جو کوئی نجات دینے کا دعوےٰ کرے یا اَعمالِ حسنہ کو مُوجبِ نجات بتائے وُہ ہمیں اِسی دُنیا میں اُس سے مُستفیض کرے۔

اِس دُنیا میں صرف یسوع مسیح ہی اِس حالت سے نجات دینے کا مُدعی ہے اَور کوئی نہیں بلکہ اَور لوگ تو اِس بدحالت سے اچھّی طرح آگاہ بھی نہیں۔ ہزاروں اِنسان جنہوں نے مسیح کے طفیل سے خلاصی پائی ہے پُکار پُکار کر کہتے ہیں کہ ہمیں مسیح نے اِس بُری حالت سے نکالا ہے۔ اُن کے اقوال و افعال اور زِندگی ظاہر کرتی ہے کہ وُہ اِس بُری حالت سے سچ مچ نکل گئے ہیں۔ پس اِس بخشش کے بالمقابل ہمیں اَور کیا چاہیئے؟

پس جب ہم یہ محسُوس کرتے ہیں کہ ہم اُس بُری حالت میں

ہیں اور اِس سے نِکلنا بھی ممکن ہے، لیکن نِکلنے کی کوشش نہیں کرتے تو یقیناً خودکُشی کے مُرتکب ہوں گے۔

اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم نیکی کے وسیلے سے اِس بُری حالت سے نِکلیں گے وہ غلطی پر ہیں کیونکہ نیکی موقوف ہے نجات پر، نہ یہ کہ نجات موقوف ہے نیکی پر۔ یہ حالت عقلاً اور نقلاً مانعِ نیکی ہے۔ نجات ہو جائے تب نیکی ہوتی ہے۔ پس چاہیئے کہ سب لوگ پہلے اِس حالت سے نِکلنے کی فِکر کریں اور باقی وسائل کو چھوڑ کر اُسے پُکاریں جو محض رحم کر کے آدمیوں کو مخلصی دیتا ہے۔

ساتواں باب

اِنسانی رُوح کیونکر خلاصی پا سکتی ہے؟

یہ مُشکل اور ضروری سُوال کئی طرح ادا ہو سکتا ہے۔ مثلاً اِنسان کی نجات کیونکر ہو سکتی ہے؟ یا اے بھائیو ہم کیا کریں کہ نجات پائیں؟ جس طرح یہ سُوال مختلف طور پر ادا ہو سکتا ہے اُسی طرح اُس کے جواب بھی مُختلف پیرائے میں دِئے جاتے ہیں۔

لیکن اِس اہم سُوال کا صحیح جواب ہر عقلمند سُننا چاہتا ہے کیونکہ ہر شخص کی نجات کا اِنحصار اِس کے صحیح جواب پر ہے۔

پہلا جواب: بعض دُنیاوی عقلمند یہ جواب دیتے ہیں کہ اِس حالت سے آدمی نِکل ہی نہیں سکتا اِس لئے اِس کی فِکر ہی نامناسب ہے۔ لیکن یہ خیال کئی طرح سے غلط ہے:

۱۔ اِس میں رُوح کے فضائل مذکورہ اور اس کی قدر کی کچھ رعایت نہیں ہے۔

۲۔ اِس میں خُدا کی قدرت کا اِنکار ہے۔

۳۔ یہ سراسر جسمانیّت پر مبنی ہے۔

۴- خُدا کا وہ قانون اور انتظام جو اِنسان کی بگڑی ہُوئی فِطرت کے لئے ہے اِس میں مفقُود ہے۔
۵- رُوح کی تمنّائے خوشی کی تکمیل اِس میں نہیں ہے۔

دُوسرا جواب: بعض اہلِ مذاہب یہ جواب دیتے ہیں کہ اِنسانی راستبازی اِس کو مَوت کے بعد مِلے گی۔
یہ جواب عام طَور پر پسند کیا جاتا ہے اور عام لوگ فوراً یہی جواب دیتے ہیں۔ لیکن یہ جواب کئی طرح سے باطِل ہے:-
۱- جو تلوار اِس وقت کاٹ نہیں کرتی وُہ جنگ میں کیونکر کام کرے گی؟
۲- زور آور کے قبضے سے کمزور نہیں بلکہ زور آور ہی چھڑا سکتا ہے۔ اِس وقت ہم نیکی کو مغلُوب اور بدی کو غالب دیکھ رہے ہیں پھر کیونکر اِس کا اعتبار کریں؟
۳- کیا قُوّتِ غالبہ کے باوجُود ہم مغلُوب ہیں یا عدمِ قُوّت کے سبب سے؟
۴- آج تک قُوّتِ مخفیہ کیوں ظاہر نہ ہُوئی؟
۵- اگر ہم روشنی رکھتے ہُوئے تاریکی میں پھنسے ہیں تو کیا ہماری خطرناک حالت کچھ بات ہی نہیں ہے؟
۶- اِنسانی راستبازی ناپید ہے۔ ٹٹولنے سے اِس میں سے کچھ بھی نہیں نِکل سکتا۔
۷- جو کوئی کہتا ہے کہ نیکی کے ذریعے بچیں گے، اُس کا مطلب یہ ہے کہ پُورا قرض ادا کر کے جیل خانہ سے چھُوٹ

جائیں گے۔ لیکن یہ اَنہونی بات ہے۔ درحقیقت اِس کا مطلب یہ ہے کہ نجات ہو نہیں سکتی۔
یہ خیال شریعتِ قلبی اور تحریری کو نہ سمجھنے سے پیدا ہُوا ہے نہ کہ خُود شریعت سے۔ شریعت میں راستبازی کا ذِکر اور اُسے کرنے کی بڑی تاکید اِس غرض سے ہے کہ اِنسان اپنی حالتِ ناچاری کو معلُوم کرے، نہ اِس لئے کہ وہ راستبازی کر کے اُس کے وسیلے سے نجات پائے گا۔
درحقیقت مخلصی کا دار و مدار راستبازی پر نہیں بلکہ راستبازی کا دار و مدار مخلصی پر ہے اور مخلصی کا دار و مدار المسیح پر ایمان پر ہے۔

تیسرا جواب: یہ جواب پُرانے جاہلوں کا ہے۔ وُہ کہتے ہیں کہ ہم جس حال میں پیدا ہُوئے اُسی حال میں پڑے رہیں گے۔ خُدا اپنے فضل سے آپ ہی نکالے گا۔
اِس جواب میں کچھ راستی اور کچھ ناراستی مِلی ہُوئی ہے۔ خالق کے فضل پر تکیہ کرنا، راستی کی بات ہے اور مُناسب بھی اور اسے عقل بھی قبول کرتی ہے، مگر اِس جواب میں ناراستی یہ ہے کہ:
۱- بدحالت میں بے خوف پڑے رہنا، بدحالی کو پسند کرنا اور سزا کی حالت کو حقیر سمجھنا ہے۔
۲- اِس جواب کو پسند کرنا، فضل کی اُس کشش کی تڑپ کا جو

رُوح میں مرکوز ہے اِنکار کرنا ہے۔

۳۔ عالمِ اَسباب میں رہتے ہُوئے، وسائلِ رحم سے قطع نظر کرکے رحم کا اُمید وار رہنا بیوقوفی ہے۔

۴۔ خالق میں نہ صرف رحم ہی ہے بلکہ اَور اَوصاف بھی ہیں۔ پس کیونکر یقین ہوسکتا ہے کہ ہم سے رحم سے پیش آئے گا جبکہ ہمارے حالاتِ بد گواہی دیتے ہیں کہ ہم پر غضب نازل ہوگا۔

یہ تینوں جوابات نافہمی اور غفلت کا نتیجہ ہیں اور انجام موت ہے۔

اب یہ بھی دیکھ لیں کہ اِس ناچاری کی حالت میں اِنسانی عقل کوئی مُفید نسخہ نہیں تجویز کرسکتی جس سے اِنسان اِس بد حالت سے نکلے۔

چوتھا جواب: یہ وُہ جواب ہے جو الہامی کتابوں سے ملتا ہے۔ یہ سب سے نرالا ہے اور اِسی سے اِنسان کی تسلّی ہوتی ہے۔ وُہ جواب یہ ہے:

اِنسان کو اُس کی بد حالت سے مخلصی اِسی زندگی میں اُس الٰہی حکمت سے ہوسکتی ہے جو بڑی گہرائی کے ساتھ یسوع المسیح میں ظاہر ہُوئی ہے بشرطیکہ طالبانِ نجات کے دِل اُسی حکمت کے لئے مُستعد ہوں۔

اِس کا حاصل یہ ہے کہ نجات صرف خُدا کی قدرت سے ہے مگر اِس کی خواہش اِنسان کی طرف سے ہونی چاہیئے یعنی اگر وُہ چاہے کہ مَیں نجات پاؤں تب خُدا اُسے نجات دیتا ہے۔

پس چاہیئے کہ آدمی اپنی بد حالی اور ناچاری پر غور کرکے اُس دباؤ خستگی کو جو اُس کے اندر ہے خوب معلوم کرے، ایسا کہ نہ صرف اُس کی زبان بلکہ رُوح بھی یُوں چلائے کہ "اے خُدا! مَیں غم کے غار میں سے فریاد کرتا ہُوں۔ میری سُن اور مُجھے یاد فرما"۔ اِس کو خالص طلب کہتے ہیں۔

یہ حالت اُس سچّے غنی اور سخی کے سامنے ایک مُحتاج رُوح کے ہاتھ پھیلانے کی ہے جس کے دروازے سے کوئی بشر ناامید نہیں لوٹتا۔ تب ذاتِ الٰہی اِس حالت سے نکالنے کے لئے اپنی قُدرت دِکھائے گی اور رُوح کے بند دھن کُھل جائیں گے اور روشنی چمکنے لگے گی۔

المسیح کے شاگرد یُوں کہتے ہیں، "خُدا ہی ہے جس نے فرمایا کہ تاریکی میں سے نُور چمکے اور وہی ہمارے دِلوں میں چمکا" (۲۔ کرنتھیوں ۴: ۶)۔ وُہ کہتے ہیں کہ ہمارے دِلوں میں روشنی آگئی ہے نہ یہ کہ ہم روشنی کے اُمیدوار ہیں۔ اُن کے اقوال اور زندگی سے ظاہر ہے کہ اُن کے دِل روشن تھے۔ جب مُہلکاتِ رُوحانیہ یعنی حسد، غضب، کینہ، بدی اور باطل خیال وغیرہ دِل سے نکل گئے اور ان کے عوض اپنے، خُدا اور دُنیا کی نسبت صحیح خیالات قائم ہوگئے تو پھر کیوں نہ کہیں کہ اندھیرا جاتا رہا اور روشنی آگئی؟ یہ ایسی روشنی ہے جس کے لئے اہلِ ریاضت سر پٹک کر مر گئے لیکن اُن کو مُیسّر نہ ہُوئی اور نہ کبھی اہلِ علم کو یہ بات حاصل ہُوئی۔ مسیح کے شاگرد یہ بھی بتلاتے ہیں کہ ہم میں یہ روشنی کہاں سے آئی اور سرچشمۂ روشنی کون اور

کہاں ہے۔

خُدا روشنی کا سرچشمہ ہے جس نے سب کچھ نیست سے ہست کیا۔ اُدھر سے ہی یہ رَوشنی اُن میں آئی۔ پس وُہ روشنی کا سرچشمہ بھی دُرست بتاتے ہیں۔ اب اُن کی سرگرمیوں کو دیکھیں۔ دُنیا خوابِ غفلت میں پڑی ہے اور وُہ کیسی پُر محبّت باتوں سے جاگتے اور جگاتے ہیں۔ اُنہوں نے خُدا کو پسند کیا اور دُنیا کو چھوڑ دیا۔ وُہ خُدا کی خدمت کرتے ہیں پر اہلِ دُنیا اپنی نفس پروری میں مشغُول ہیں۔ اُن کے سر پر سے مَوت کی گھٹا ہٹ گئی ہے اور فضل اور برکاتِ آسمانی کی اَوس اُن پر صاف پڑتی ہُوئی نظر آتی ہے۔ اُن کے سارے بندھن ٹُوٹ گئے لہٰذا وُہ آزاد ہیں۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ اس بدحالت سے اِنسان نکل سکتا ہے کیونکہ اگرچہ وُہ جسمانی پیدائش کے اعتبار سے اِس حالت میں پیدا ہُوا مگر رُوحانی پیدائش کے اعتبار سے نہیں۔ ہماری کوشش اور ہماری راستبازی اِس حالت سے ہمیں ہرگز نہیں نکال سکتی لیکن خُدا کی قُدرت جو یسوع المسیح میں ظاہر ہُوئی اُس کی وساطت سے ہم مخلصی پا سکتے ہیں۔ خُدا پر غلط بھروسا رکھنا بھی نہیں نکال سکتا کیونکہ یہ شانِ الوہیّت اور اِنتظامِ عالم کے خلاف ہے۔ لیکن ایک نام ہے جس کی معرفت نجات پا سکتے ہیں اور وُہ خُداوند یسوع المسیح ہے۔

آٹھواں باب

خُدا کی ذات وصِفات

خُدا کی ذات وصفات کیا ہیں اور کیسی ہیں؟ یہ سُوال اگرچہ نہایت مُشکل ہے مگر اِس قدر نہیں کہ سمجھ میں نہ آسکے۔ اگر وُہ ہماری سمجھ میں نہیں آسکتا تو گویا ہم ایک وہمی خُدا کی پرستش کرتے ہیں۔ اور اگر یہ کہیں کہ ہم خوب جانتے ہیں تب وُہ جو ہمارے ذہن میں سما گیا خُدا نہ رہے گا۔ مگر جس قدر جاننے کی طاقت خُدا نے بندوں کو بخشی ہے اِتنا جانتے ہیں۔ لیکن ایک مافوق الفطرت شخص جو ذاتِ الٰہی میں شریک ہے، اُس نے فرمایا ہے کہ "اے عادِل باپ! دُنیا نے تو تجھے نہیں جانا مگر مَیں نے تجھے جانا ..." (یوحنّا ۱۷: ۲۵) اور اُس کا فرمانا بجا ہے کیونکہ وُہ اُوپر سے ہے۔

خُدا کون ہے؟

اِس کی بابت عقل صِرف اِتنا کہہ سکتی ہے کہ وُہ ایک واجب ہستی ہے جو قائم بالذّات اور غیر مرئی ہے۔ لیکن عقل نے صِرف اُس کی ہستی پر گواہی دی ہے اور اِس سے زیادہ

کچھ نہیں بتلایا اور نہ بتا سکتی ہے۔ پس اس سوال کے جواب میں کہ "خدا کون ہے" ہم کچھ نہیں کہہ سکتے سوائے اس کے کہ خدا ایک ایسی ہستی ہے جس کا ہونا ضروری ہے اور اسی پر سب موجودات کا دار و مدار ہے اور کوئی پورے طور پر نہیں جانتا کہ وہ کہاں ہے اور کیسا ہے۔

خدا کیسا ہے؟

اگرچہ ہم خدا کی ماہیّت کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتے لیکن ایک وجہ سے کسی قدر بیان کر سکتے ہیں۔ مگر پہلے ذیل کے فقروں پر غور کر لینا چاہیئے:

۱۔ حقائق اشیاء یعنی چیزوں کی حقیقتیں جہاں تک انسان کی عقل نے دریافت کی ہیں ضرور ثابت ہیں۔ وہ وہمی یا فرضی نہیں ہیں۔ مثلاً آگ ایک حقیقی چیز ہے جس میں جلانے کی طاقت ہے نہ کہ ایک فرضی یا وہمی شے۔

۲۔ ہمارے حواس اور ہماری قوّتِ فکر بیکار شے نہیں ہے اور ہمارے صحیح تجربات یقینی ہیں۔

پس جبکہ یہ بات ہے تو اب خدا کی نسبت بھی کچھ فکر کر سکتے ہیں کہ وہ کیسا ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ وہ نرگن یعنی بے صفات ہے۔ لیکن یہ بات تسلّی بخش نہیں ہے کیونکہ دنیا کی ہر ایک چیز میں کوئی نہ کوئی

صفت ہوتی ہے اور ہر نئی چیز میں نئی صفت نظر آتی ہے۔ پس جبکہ مخلوقات میں صفات موجود ہیں تو خالق میں بھی صفات ہیں، اس لئے یہ خیال کہ خدا میں کوئی صفت نہیں باطل ہے۔ اس فاسد خیال کا حاصل یہ ہے کہ گویا خدا ایک بے جان مادّہ ہے اور دنیا کا کارخانہ عبث۔ اس خیال میں الہام کی ذرّہ بھر روشنی نہیں اس لئے یہ خیال نہایت بیہودہ اور مہلک ہے۔

لیکن جن کو الہام سے کچھ ملا ہے وہ کہتے ہیں کہ خدا واجب الوجود ہے اور جامع جمیع صفاتِ کمال ہے یعنی حیات، علم، سمع و بصر اور ارادہ اس میں ہے اور وہ تمام عیوب سے پاک ہے اور مکان و زمان وغیرہ سے مبرّا ہے۔

یہ سارا بیان درست اور اچھا معلوم ہوتا ہے کہ خدا ضرور ایسا ہی ہے۔ مگر یہ خیال عقل اور الہام کی آمیزش سے نکلا ہے نہ کہ صرف عقل سے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جب عقل الہام کی پیروی کرتی ہے تو دنیا و آخرت دونوں کی فلاح کا موجب بنتی ہے، اور جب الہام سے علیحدہ ہو جاتی ہے تو دونوں جہانوں میں بربادی کرتی ہے۔

خدا کی نسبت بیانِ بالا میں اگرچہ الفاظ مناسب استعمال ہوئے ہیں لیکن وہ خدا کی تعریف کا مفہوم ادا نہیں کرتے۔ پس رُوح کا تقاضا کیونکر پورا ہو سکتا ہے اور معرفت جس سے تسلّی ہو کہاں سے اور کس طرح حاصل ہو سکتی ہے؟

رُوح کا تقاضا صرف اسی سے پورا نہیں ہو سکتا کہ ہم

خُدا کی نسبت یہ الفاظ سُنیں بلکہ اِس سے زیادہ کی وضاحت کی ضرُورت ہے۔ پس نہ تو عقل کی آنکھ سے کچھ دیکھا نہ جسم کی آنکھ سے مگر یہی سُنا کہ خُدا کچھ ایسا ہی ہے۔ اب رُوح کی سیری کیونکر ہو؟ رُوح تو دیدار کی مشتاق ہے۔ لیکن اُن باتوں سے جو اُوپر مرکوز ہیں دیدار تو کجُا، تسلّی بخش مفہوم بھی خیال کی آنکھ کے سامنے سے نہیں گزرتا۔

پہلے اِس بات کو معلُوم کرنا چاہیئے کہ اِنسان کی رُوح خُدا کے دیدار کی مُشتاق ہے اور یہ خواہش اُس میں خالق کی طرف سے رکھی گئی ہے۔ یہ ایک عمُدہ اور اچھّی خواہش ہے مگر لوگوں نے بے جا طور پر اِس کی تکمیل اپنی مرضی سے کرنے کا ارادہ کر کے کیا کچھ نہیں کیا۔

بعض نے اَوتار ہونے کا جھُوٹا دعویٰ کیا یا لوگوں نے اُنہیں اَوتار سمجھ کر چاہا کہ اپنی اِس خواہش کو بجُھائیں اور بُہتوں نے بُت پرستی اِسی منشا سے نِکالی کہ اپنے خالق کو سامنے دیکھیں۔ ہمہ اُوست[1] والوں نے چاہا کہ مَوجُودات پر نظر ڈال کر سمجھیں کہ سب کچھ خُدا ہے اور یوں رُوح کی پیاس بجُھائیں۔ مُنکرانِ خُدا نے بھی اِسی لئے خُدا کا اِنکار کیا کہ جسے وُہ دیکھنا چاہتے ہیں نہ تو عقل کی آنکھ سے اور نہ جسم کی آنکھ سے دیکھ سکتے ہیں۔

---

[1] صُوفیوں کا قول ہے کہ خُدا کے سِوا کسی چیز کا وجُود نہیں۔ یہ خُدا ہی ہے جو مختلف شکلوں میں جلوہ گر ہے۔

حاصِل کلام یہ ہے کہ رُوح میں یہ تقاضا ہے کہ ہم اپنے خُدا کو دیکھیں۔ اِسی لئے لوگ اپنی تجویز سے اِس خواہش کو پُورا کرنے کے لئے ہاتھ پاؤں مارتے ہیں اور اپنے خیالات میں فرضی خُدا بنا لیتے ہیں، اِس لئے اُن کا دِل ناپاک ہو جاتا ہے اور رفتہ رفتہ مُردہ۔ لیکن خُدا اِس خواہش سے واقف ہے اور اُسے پُورا کرنے پر بھی قادر ہے۔

الہامی کتابوں سے ظاہر ہے کہ خُدا میں مذکورہ صِفاتِ کاملہ کے باوجود تشخیص بھی ہے یعنی اقانیم ثلاثہ میں ضرور تشخیص ہے تاکہ کسی نہ کسی صُورت سے بندوں پر ظاہر ہو۔ اگر کوئی کہے کہ حلُول[1] عقلاً منع ہے یعنی الوہیّت کا بشریّت میں آ جانا عقلاً منع ہے تو یہ صحیح ہے مگر قبول منع نہیں ہے اور وہ یہ ہے کہ بشریّت کو الوہیّت اپنے اندر لے لے۔ یہ اِس لئے ہے کہ بشریّت میں اِتنی طاقت نہیں کہ لامحدُود خُدا کو اپنے اندر لے لے مگر لامحدُود خُدا میں یہ قدرت ہے کہ انسانیت کو جو محدُود ہے قبول کرلے۔ دیکھئے مقدّس اثناسیس کے عقیدہ کا یہ فقرہ کہ "نہ الوہیّت اِنسانیت سے بدل گئی مگر اِنسانیت کو الوہیّت نے لے لیا"۔ پس اِس مقام پر حلُول کی بات ہی ناجائز ہے۔ یہاں حلُول نہیں، قبُول ہے، اور اِس قبول میں جب خُدا ظاہر ہو تو اُس کی صفاتِ کاملہ میں ہرگز کچھ نقصان لازم نہیں آتا بلکہ اُس کی عِزّت اَور بھی زیادہ ظاہر ہوتی ہے۔

---

[1] ایک چیز کا دُوسری چیز میں اِس طرح داخل ہونا کہ دونوں میں تمیز نہ رہے۔

اِس بھید کو بھی کما حقّہٗ، بائبل مُقدّس ہی نے دِکھایا ہے۔ بائبل نے خدُا کی صِفات اور تعریفِ مذکُور کی نفی نہیں کی بلکہ سب سے زیادہ تاکید کے ساتھ جَلال اور قدُوسی وغیوّری اور ہمہ دانی جَیسی صفات کے ساتھ خدُا اور تشخیص کو بھی خوُب دکھلایا ہے۔ مثلاً خدُا آدم پر باغ میں پھرتا ہُوا ظاہر ہُوا (دیکھئے پیدائش ۳:۸)۔ اور پیدائش ۱۷:۱ میں ہے کہ "جب ابرام ننانوے (۹۹) برس کا ہُوا تب خدُاوند ابرام کو نظر آیا اور اُس سے کہا کہ مَیں خدُائے قادِر ہوُں۔ توُ میرے حضوُر میں چل اور کامل ہو"۔ مزید دیکھئے پیدائش ۲۶:۲؛ ۳۲:۳۰؛ خروُج ۳:۶؛ یشوُع ۵:۱۵؛ قضاۃ ۱۳:۱۸؛ ۱سموئیل ۳:۱۰؛ ایوُّب ۴۲:۵؛ یسعیاہ ۶:۱؛ دانی ایل ۳:۲۵۔ یہ حال تو پُرانے عہدنامہ کا ہے۔ لیکن نئے عہدنامے میں ایک شخص ظاہر ہُوا ہے جو اپنے آپ کو اِبنُ اللہ کہتا ہے اور ساری صِفاتِ کامِلہ جو الوُہیّت میں ہیں اپنے اندر صاف دِکھاتا ہے۔ اِس سے ہم یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ اِس میں خدُا اِنسان کی صوُرت میں ظاہر ہُوا۔

خدُا ایک غیر شخصی قوُّت نہیں ہے، بلکہ وُہ ایک شخص ہے جس میں تمام صفاتِ کمال موجُود ہیں۔ وُہ مخلوقات سے الگ اور حاضر و ناظر ہے اور اپنے عِلم اور قدُرت سے ہر جگہ موجُود ہے۔ وُہ اپنی پاک ذات میں مُمتاز اور ذُوالجلال ہے۔ اُس کی ستائِش اور بزُرگی ابد تک ہو۔

نواں باب

تثلِیث فی التوَّحید

واضح ہو کہ خدُا کی ذات کے مُتعلق تثلیث فی التوَّحید اور توحِید فِی التثّلیت کا ذِکر الہامی کتابوں میں پایا جاتا ہے۔ بعض لوگ اِس بات سے خفا ہوتے ہیں اور کلامِ الٰہی کی تحقیر کرتے ہیں۔ اگرچہ ایسی بات پر چونکنا تو مُناسب ہے تاکہ ہم شِرک کی طرف نہ کھِنچ جائیں لیکن اُس پر غور نہ کرنا کہ یہ کیا بات ہے اور اِس کا کیا مطلب ہے یہ بھی نادانی ہے۔

اِس مُعاملے میں دو باتوں پر سوچنا مناسب ہے۔ اوّل یہ کہ بائبل مُقدّس نے تثلیث کو کِس طرح پیش کیا ہے۔ بہُت سے ایسے لوگ ہیں جو تثلیث کے نام ہی سے گھبراتے ہیں اور یہی سبب ہے کہ اُن کے بیان میں غلطیاں ہوتی ہیں۔ یہ بہُت نامناسب بات ہے کہ کِسی کے عقیدے کو دریافت کئے بغیر اُسے ردّ کر دیا جائے۔ پس ہم یہ دکھاتے ہیں کہ وُہ کیونکر اور کِس صوُرت میں ہمارے سامنے پیش کی گئی ہے۔ اِس کے بعد ہم اپنے دلائِل بھی پیش کریں گے۔

بائبل مُقدّس میں تثلیث کا جو ذِکر ہے اُس کا خُلاصہ اگر

کوئی دیکھنا چاہے تو اتھاناسیئس کے عقیدے کا پہلا حصّہ دیکھ لے جو یُوں ہے :

"کیتھولک ایمان یہ ہے کہ ہم واحد خدا کی پرستش تثلیث میں اور ثالوث کی پرستش توحید میں کریں ۔

۴۔ نہ اقانیم کو مخلوط کریں، نہ جوہر کو تقسیم ۔

۵۔ کیونکہ اقنومیّت باپ کی اَور ہے، بیٹے کی اَور، رُوح القدس کی اَور ۔

۶۔ لیکن باپ، بیٹے اور رُوح القدس کی الُوہیّت ایک ہی ہے ۔ جلال برابر، عظمت یکساں ازلی ۔

۷۔ جیسا باپ ہے ویسا ہی بیٹا اور ویسا ہی رُوح القدس ہے ۔

۸۔ باپ غیر مخلُوق، بیٹا غیر مخلُوق، رُوح القدس غیر مخلُوق ۔

۹۔ باپ غیر محدُود، بیٹا غیر محدُود، رُوح القدس غیر محدُود ۔

۱۰۔ باپ ازلی، بیٹا ازلی، رُوح القدس ازلی ۔

۱۱۔ تاہم تین ازلی نہیں بلکہ ایک ہی ازلی ہے ۔

۱۲۔ اِسی طرح نہ تین غیر محدُود ہیں نہ تین غیر مخلُوق بلکہ ایک ہی غیر مخلُوق اور ایک ہی غیر محدُود ۔

۱۳۔ اِسی طرح باپ قادرِ مطلق، بیٹا قادرِ مطلق، رُوح القدس قادرِ مطلق ہے ۔

۱۴۔ تو بھی تین قادرِ مطلق نہیں بلکہ ایک ہی قادرِ مطلق ہے ۔

۱۵۔ ویسا ہی باپ خُدا، بیٹا خُدا، رُوح القدس خُدا ہے ۔

۱۶۔ تاہم تین خُدا نہیں بلکہ ایک ہی خُدا ہے ۔

۱۷۔ اِسی طرح باپ خُداوند ہے، بیٹا خُداوند، رُوح القدس خُداوند ہے ۔

۱۸۔ پھر بھی تین خداوند نہیں، ایک ہی خُداوند ہے ۔

۱۹۔ کیونکہ جس طرح مسیحی اصُول کے سبب ہمیں ماننا پڑتا ہے کہ ہر اقنوم جُداگانہ خُدا اور خداوند ہے ۔

۲۰۔ اُسی طرح کیتھولک کے بمُوجب یہ کہنا منع ہے کہ تین خُدا یا تین خُداوند ہیں ۔

۲۱۔ باپ نہ کسی سے مصنُوع ہے نہ مخلُوق نہ مولُود ۔

۲۲۔ بیٹا صرف باپ ہی سے ہے، نہ مصنوع، نہ مخلُوق بلکہ مولُود ۔

۲۳۔ رُوح القدس باپ اور بیٹے سے ہے، نہ مصنُوع، نہ مخلُوق، نہ مولُود بلکہ صادر ہے ۔

۲۴۔ پس تین باپ نہیں بلکہ ایک ہی باپ ہے ۔ تین بیٹے نہیں بلکہ ایک ہی بیٹا ہے ۔ تین رُوح القدس نہیں بلکہ ایک ہی رُوح القدس ہے ۔

۲۵۔ اور اِس ثالوث میں کوئی ایک دُوسرے سے پہلے یا پیچھے نہیں ۔ نہ کوئی ایک دُوسرے سے بڑا یا چھوٹا ہے ۔

۲۶ - بلکہ تینوں اقانیم یکساں ازلی اور باہم برابر ہیں -
۲۷ - الغرض ہر امر میں جیساکہ اُوپر بیان ہُوا ہے واحِد کی پرستِش تثلیث میں اور ثالوث کی پرستش توحید میں کرنی واجب ہے "-

یہ مُقدّس اثناسیس کے عقیدے کا پہلا حِصّہ ہے جو ہمارے ایمان کا بڑا حِصّہ ہے اور بائبل مُقدّس کے مختلِف مقاموں سے چُن کر جمع کیا گیا ہے -

اب تین فِکریں واجب ہیں :

پہلا فکر اِس اِعتقاد پر بلحاظِ بائبل اور کلیسیا کے کیا جاتا ہے اور اِس فکر میں چار باتیں سوچنا ہیں :

۱ - یہ مضمُون جو اُوپر بیان ہُوا سب مسیحیوں کا مُتّفق عَلَیہ ہے - کوئی فروعی بات نہیں کہ جس کا دِل چاہے قبول کرے اور جس کا نہ چاہے نہ قبول کرے - یہ ایک ایسی اصُولی بات ہے جس کو سب مسیحی فِرقے مانتے ہیں یعنی سب تثلیث پر ایمان رکھتے ہیں اور تثلیث ہی کے نام پر بپتسمہ پاتے ہیں -

۲ - یہ بات بھی ظاہر ہے کہ کتابِ مُقدّس یُوں ہی سِکھاتی ہے یعنی کِسی آدمی کے ذِہن کی اِختراع نہیں جسے ہم معمولی بات سمجھ کر چھوڑ دیں -

۳ - بائبل مُقدس کے جتنے وعدے ہیں وُہ یقیناً اِسی عقیدے پر مَوقُوف ہیں - اگر یہ ہمارے ہاتھ سے جاتا رہے تو پھر ہم اِن برکات کی اُمّید نہیں رکھ سکتے -

۴ - اِس عقیدے کا اِنکار بائبل مُقدّس کا اِنکار ہے اور اہلِ بائبل سے جُدائی کا مُوجب ہے -

دُوسرا فِکر اِس عقیدے پر بلحاظِ نفسِ عقیدہ کیا جاتا ہے -

۱ - اِس عقیدے میں تثلیث کا علاقہ الُوہیّت کی ذات میں دِکھایا گیا ہے نہ کہ صِرف صِفات میں یعنی یہ بات نہیں کہ ذاتِ الٰہی کا نام باپ ہے اور بیٹا اور رُوحُ القُدس صِفات ہیں -

۲ - تین اقنُوم بیان ہُوئے ہیں جن کی ماہیّت ایک ہے نہ کہ تین - اِس ماہیّتِ واحدہ کے تین شخص ہیں اور اگرچہ ان میں تشخیص ہے تو بھی تین جُداگانہ خُدا نہیں ہیں -

۳ - یہ تینوں اقنُوم نہ مخلُوق ہیں نہ مصنُوع اور نہ اِن میں تقدُّم و تاخیر پائی جاتی ہے اور غیر محدُود ہونے کے باعث قُدرت و ازلیّت و ابدیّت میں یکساں ہیں -

۴ - بیٹا باپ سے بتلایا گیا ہے، نہ مصنُوع، نہ مخلُوق مگر مَولُود ہے -

۵ - رُوحُ القُدس باپ اور بیٹے سے بتلایا گیا ہے مگر مصنُوع اور مخلُوق اور مولُودیّت کے طور پر نہیں بلکہ صادر ہونے کے طور پر -

۶ - اِس تثلیث کی پرستش میں عین واحد خُدا کی پرستش بتلائی گئی ہے مگر تین خُدا بتلانے والے پر ملامت ہے

جیسے مُنکرِ تثلیث پر ملامت ہے۔

پس کیا یہ جو اُوپر بیان ہُوا عقلی ہے؟ کیا کوئی عقلِ بشری سے اِسے سمجھ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ تب تو یہ یقیناً آدمی کی عقل سے نہیں نکلا۔ اگر عقل سے نکلتا تو عقل میں آسکتا تھا۔ یہ خُدا سے ہے جو عقل سے بالا ہے۔

تیسرا فکر اِس عقیدے کی تفہیم کی طرف جاتا ہے۔

اِس وقت سُوال یہ ہے کہ یہ عقیدہ کیسے سمجھیں؟

جواب یہ ہے کہ یہ مسئلہ اِدراکی نہیں بلکہ وجدانی ہے اور اِن دونوں میں بہت فرق ہے۔ اِدراک سے مُراد وُہ تصوُّرات ہیں جو احاطۂ عقل میں آسکتے ہیں۔ لیکن تثلیث کا یہ بیان اُس ذات کا ہے جو احاطۂ عقل سے نہایت بُلند و بالا ہے۔ لہٰذا اِس کا اِدراک ذہن میں طلب کرنا ہی خِلافِ عقل ہے۔ ایُّوب نبی کہتا ہے: "کیا تُو تلاش سے خُدا کو پا سکتا ہے؟ کیا تُو قادرِ مُطلق کا بھید کمال کے ساتھ دریافت کرسکتا ہے؟ وُہ آسمان کی طرح اُونچا ہے۔ تُو کیا کرسکتا ہے؟ وہ پاتال سے گہرا ہے۔ تُو کیا جان سکتا ہے؟" (ایُّوب ۱۱: ۷-۸)۔

لیکن وجدان خُدا کی طرف سے اِنسان کی رُوح پر انکشاف ہے جس سے رُوح میں تسکین، یقین اور کسی قدر علم بھی پیدا ہوجاتا ہے۔ یہ اِعتقاد اِسی انکشاف سے رُوح پر مُنکشف ہوتا ہے۔ تب رُوح اُسے قبُول کرتی ہے اور ذہن سجدہ کرتا ہے۔

یہی سبب ہے کہ سب خادمانِ دینِ اِس اِعتقاد کو سمجھنے کے لئے طالبان کو دُعا کرنے کی تاکید کرتے ہیں تاکہ خُدا اِس بھید کو اُن پر ظاہر کرے۔

جب پطرس نے دُوسرے اقنُوم کا اِقرار کیا کہ "تُو زندہ خُدا کا بیٹا مسیح ہے"، تو مسیح نے فرمایا "یہ بات گوشت اور خُون نے نہیں بلکہ میرے باپ نے جو آسمان پر ہے تجھ پر ظاہر کی ہے" (متّی ۱۶: ۱۶، ۱۷)۔ ایک دُوسرے مقام پر خُداوند نے صاف کہہ دیا کہ "اے باپ آسمان اور زمین کے خُداوند مَیں تیری حمد کرتا ہُوں کہ تُو نے یہ باتیں داناؤں اور عقلمندوں سے چھپائیں اور بچّوں پر ظاہر کیں" (متّی ۱۱: ۲۵)۔

داناؤں اور عقلمندوں سے مُراد وُہ لوگ ہیں جو عقل پر نازاں ہیں اور مغرور ہیں اور اِلہام کی نسبت عقل پر زیادہ زور دیتے ہیں۔ وُہ گویا اپنے ہاتھ سے خزانۂ شاہی پر دست اندازی کرنا چاہتے ہیں۔ وُہ خُدا کے اَسرارِ مخفی میں بھی عقل کا ہاتھ ڈال کر جو چاہیں اُٹھانا چاہتے ہیں۔ وُہ گدائی کے طور پر خُدا سے عِرفان نہیں مانگتے بلکہ گھر کے مالک بننا چاہتے ہیں۔ ایسے لوگوں سے خُدا نے بطورِ سزا کے اِن عمیق باتوں کو پوشیدہ رکھا ہے۔

جب مسیح نے یائیر سردار کی بیٹی کو جِلایا تو ٹھٹھے باز وں کو باہر نکالا جو عقل کے موافق صِرف عادت کے پیرو کار تھے اور قُدرت پر ذرا بھی خیال نہ کرتے تھے۔ چنانچہ اُنہوں نے

ٹھٹھا مار کر کہا تھا کہ "لڑکی تو مر چکی ہے اُستاد کو تکلیف نہ دے"۔ تب مسیح نے اُنہیں باہر نکالا تاکہ الٰہی جلال نہ دیکھیں۔ یہ بے اِعتقادی کی سزا کے طور پر تھا۔

ہاں اُسی نے بچّوں پر ظاہر کر دیا۔ اب وُہ بچّے خواہ عالم تھے یا جاہل مگر وُہ خُدا کی ہدایت کے مُحتاج تھے۔ وُہ خُدا کی مرضی کے تابع اور فروتن تھے نہ کہ خُدا کے صلاح کار اور اُس کے کارخانے کے حِصّے دار۔ یہ بچّے انعام کے حقدار تھے کیونکہ اُنہوں نے خُدا کی عزّت کی اور اپنے مقام عبُودیّت سے آگے نہ بڑھے۔ اُن کی رُوحیں بچنے کے لئے تیار تھیں اِس لئے خداوند نے اُن پر فضل کیا۔ اور یہ قاعدے کی بات ہے کہ اہلِ جہلِ بسیط[1] ہمیشہ ترقّی کر جاتے ہیں اور اہلِ جہلِ مُرکّب[2] نادانی میں مَر جاتے ہیں۔ پست حال لوگ ہی سربلندی حاصل کرتے ہیں لیکن مغرور شکست کھا جاتے ہیں۔

پس تیسرے فکر کا حاصل یہ ہے کہ تثلیث فی التّوحید ادراکِ ذہن سے یقیناً بلند و بالا ہے لیکن خُدا اُسے فروتن دِل آدمیوں پر منکشف کرتا ہے اور یہ انکشاف تصوّرِ عقلی سے زیادہ مُفید ہے۔ خُدا آپ فروتنوں کو یہ انکشاف بخشتا ہے۔ مغرور اِس کے مُستحق نہیں ہوتے جب تک فروتنی اختیار نہ کریں۔

---

[1] ناواقف - لاعلم

[2] نادان ہونے کے باوجود اپنے آپ کو دانا سمجھنا - دُہری جہالت

سارے بیان کا خُلاصہ

۱- تثلیث فِی التّوحید پر رسُولوں اور مُقدّسوں کا سارا سلسلہ مُتفق ہے۔ اِس کا اِنکار اُن سے جُدائی کا باعث ہے۔

۲- اس کا اِنکار دلائلِ عقلیہ و نقلیہ سے جس طرح بھی کیا جائے وہ سب پیش شُدہ تثلیث کے کسی نہ کسی مُقدمے کی عدم رعایت کے باعث باطل ٹھہرتے ہیں۔

۳- تثلیث فِی التّوحید اگرچہ عقل اور اِدراک سے بالا ہے تو بھی اِس کا انکشاف رُوح پر ہوتا ہے۔ اگر یہ بات عقل سے ذہن میں آسکتی پھر بھی اِس کی بابت کامل تسکین نہ ہو سکتی تھی۔ لیکن وہ اِنکشاف جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بخشا جاتا ہے وہی اِس بارے میں کامل تسلّی کا باعث ہو سکتا ہے۔ پس یہ کہنا کہ ہم تثلیث کو نہیں سمجھتے صحیح ہے اور یہ کہنا کہ ہم اُسے جانتے اور مانتے ہیں، یہ بھی صحیح ہے۔

دسواں باب

تثلیث کی توضیح

اُن لوگوں کی جو الہام کی نسبت عقل پر زیادہ زور دیتے ہیں ساری تقریروں کا حاصل حسبِ ذیل ہے :

وُہ کہتے ہیں کہ تثلیث کا اعتقاد باطل اور خلافِ عقل ہے کیونکہ توحید تعداد کی نفی کرتی ہے جبکہ تثلیث تصدیق - یہ دو نقیضین ہیں اور ان کا شخصِ واحد میں اجتماع محال ہے - اور اگر کوئی کہے یہ عقیدہ الہامی ہے تو یاد رکھنا چاہیئے کہ الہام عقل کا محکوم ہے نہ کہ حاکم کیونکہ اثباتِ الہام عقل پر موقوف ہے - پس جو بات عقل کے خلاف ہو وُہ الہامی نہیں ہوسکتی -

ان لوگوں کا یہ اعتراض تین وجوہات کی بنا پر قابلِ پذیرائی نہیں ہوسکتا - پہلی وجہ : ہم پوچھتے ہیں کہ آیا کُل بنی آدم کی عقل اس کو باطل بتلاتی ہے یا خاص ایک یا دو قوم کی عقل ؟ پس عقلِ خاص سے عقلِ عام پر فتویٰ دینا کونسی عقلمندی ہے ؟

اگرچہ لاکھوں کی عقل نے اسے قبول نہیں کیا تو چنداں مضائقہ نہیں کیونکہ کروڑوں کی عقل نے اسے قبول کیا ہے - مثلاً اگرچہ بعض کی عقل نے خُدا کے وجُود کا انکار کیا، تاہم کروڑوں کی عقل نے خُدا

کو قبول کیا ہے - اب کوئی مُنکرِ خُدا یہ نہیں کہہ سکتا کہ کُل عقل اس کو قبول نہیں کرتی - اگر ایسا کہے تو یقیناً بیوقوف ہے - ہاں وُہ کہہ سکتا ہے کہ میری عقل خُدا کو قبول نہیں کرتی - اور اگر کوئی کہے کہ عقلِ سلیم اس عقیدے کو قبول نہیں کرتی، تو لازم ہے کہ ہمیں دکھائے کہ عقلِ سلیم کہاں ہے ؟ آیا عام طور پر دُنیا کے لوگوں میں پائی جاتی ہے یا کسی خاص قوم میں یا مُنکروں ہی کو عطا ہُوئی ہے ؟ ہم کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ عقلِ سلیم صرف مُنکرینِ تثلیث میں ہے اور مسیحیوں میں نہیں ہے - پس یہ کہنا چاہیئے کہ میری عقل میں تثلیث کا بھید نہیں آتا نہ یہ کہ کوئی عقلمند اس کو قبول نہیں کرسکتا -

دُوسری وجہ : مُنکروں نے جو دلیل پیش کی ہے وُہ ناکافی ہے اور قبولیت کے لائق نہیں، کیونکہ تعدُّد اور نفی تعدُّد کا اجتماع اگرچہ عقلاً محال ہے تو یہ مادیّت کا قاعدہ ہے - اگر ماہیّتِ الٰہی پر بھی یہ قاعدہ جاری ہو جائے تو سب پر اس قسم کے قاعدے لاگو ہوں گے - اُس صُورت میں مخالفین کو بے حد مشکلات کا سامنا کرنا ہوگا - مثلاً اُس صانع (خالق) کا وجود جو مادی نہ ہو عقلاً محال ہے - یہ بات قیاس میں ہرگز نہیں آسکتی کہ غیر مادی خُدا نے ایک مادّی جہان کو کیسے پیدا کر دیا ! بڑھئی کبھی میز نہیں بنا سکتا جب تک اُس کے پاس لکڑی اور اوزار نہ ہوں - دیکھیئے ہمارا یہ قاعدہ خُدا پر ہرگز جاری نہیں ہوسکتا - اسی طرح وجُود مکان کے بغیر خیال میں نہیں آسکتا لیکن ہم خُدا کو

موجود اور مکان سے مُنزّہ مانتے ہیں۔

اِسی طرح کسی موجود کو جو جہاتِ ستّہ سے مُبرّا ہو عقل قبول نہیں کر سکتی، حالانکہ خدا جہاتِ ستّہ سے پاک، اور زمانے کی قید سے آزاد ہے۔ پھر خدا کی صِفات نہ عینِ ذات ہیں نہ غیر ذات۔ اگر خدا کی صِفتوں کو عینِ ذات مانو تو موجودات بھی الوہیّت کے درجے میں ہوں گے اور اُس صُورت میں مسئلہ ہمہ اُوست بھی دُرست ہو گا جو عقلاً باطِل ہے۔ اور اگر خدا کی صفات غیر ذات ہیں تو اُن کا الگ ہونا جائز ہو گا، مِثل سب دِیدنی صفات کے۔ اِس صُورت میں خُدا ناقِص ٹھہرے گا۔ لِہٰذا مجبوراً یہ بات مانی جاتی ہے کہ اُس کی صِفات نہ عینِ ذات ہیں اور نہ غیر ذات۔ بلکہ بین بین کوئی اور درجہ ہے جو قیاس سے باہر ہے۔

پس یا تو سب عقلی قاعدے اُس پر جاری کرو اور خُدا کو ہاتھ سے کھو بیٹھو یا اُسے سب عقلی قاعدوں سے بُلند جانو اور بے چُون و چرا ماوراُالعقل خُدا کا اقرار کرو۔ اب ہم نفسِ دلیل کی طرف مُتوجّہ ہوتے ہیں۔

معترضین تعدُّد کا نفی لفظ وَحدت سے نکالتے ہیں۔ اگرچہ یہ بات سچ ہے مگر کِس حیثیّت سے، اِس پر کچھ غور نہیں کرتے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ الوہیّت کی ماہیّت واحد ہے۔ اِس کی ماہیّت میں کوئی دُوسری ماہیّت شریک نہیں ہے۔ وُہ ایک ماہیّت ہے جو سارے موجُودات پر خُدائی کرتی ہے۔

اور اثباتِ تعدُّد لفظ تثلیث سے نکالتے ہیں مگر یہ نہیں

سوچتے کہ یہ تعدُّد کِس حیثیت سے ہے۔ تثلیث کا مطلب تو یہ ہے کہ وہی ایک ماہیّت ہے جس میں تین تشخص ہیں۔ اگرچہ وُہ تین شخص ہیں تو بھی اُنہیں تین خُدا کہنا کُفر ہے کیونکہ ماہیّت واحِد ہے نہ کہ تین ماہیتیں۔ اگر ہم یُوں کہتے کہ خُدا ایک ماہیّت ہے اور وُہی خُدا تین ماہیّتیں ہیں تو البتہ تناقض ہو سکتا تھا۔ مگر یہاں تو خُدا کی ایک ماہیّت ہے اور وہی ایک ماہیّت تشخیص کے اعتبار سے تین اقنوم رکھتی ہے۔ پس اِس تقریر کا مفہُوم جہاں تک اِدراک میں آسکتا ہے تناقُض سے پاک ہے۔

دُوسری بات

الٰہی وَحدت اور الٰہی تثلیث دونوں کا مفہوم عقلاً ذِہن سے بالاتر ہے۔ وَحدت کا مفہُوم ذِہن میں ہرگز نہیں آسکتا، کیونکہ خُدا میں نہ تو وَحدتُ الوجود[1] ہے اور نہ وحدتِ عُرفی یا حقیقی۔ اِن دو وَحدتوں کے سِوا کوئی تیسری وحدت خیال میں نہیں آسکتی۔

وَحدتُ الوجُود ہمہ اُوست کا بیان ہے جو باطل ہے۔ وحدتِ عُرفی کو جہات اور مکان لازم ہے جس سے خُدا کو عقلاً بَری اور پاک جانتے ہیں۔ پس وُہ کون سی وحدت ہے جو خُدا میں ہے؟ اِس لئے یُوں کہا جاتا ہے کہ اُس میں وحدتِ غیر مُدرک ہے یعنی ایسی وحدت جو قیاس سے باہر ہے۔ اسی طرح تثلیث کا مفہوم ذہن

---

[1] تمام موجُودات کو خُدا کا ایک وجود ماننا۔

سے خارج ہے اگرچہ ایک صُورت میں تو ظاہر ہے لیکن اُسے پُورے طور پر سمجھنا مشکل ہے۔

پس دو مُدرک مفاہیم میں سے اِبطال یا اِثبات کا نتیجہ کس قاعدے سے نکالا جائے؟ معلوم تو ایک بھی نہیں کہ جس کے وسیلے سے مفہوم دریافت کیا جائے اِس لئے یہ خیال باطل ہے۔

اور اگر یہ کہیں کہ اگرچہ اِس کو پُورے طور پر سمجھنا مشکل ہے مگر ایک صُورت میں تو ظاہر ہے تو ہمارا جواب یہ ہے کہ ایک صُورت میں ظاہر ہی سے اُوپر دِکھایا گیا ہے کہ اُن میں تناقض نہیں ہے۔ وُہ دو مضمون ہی جُدا ہیں۔ وَحدت ماہیّت کو دکھاتی ہے اور تثلیث اِسی ماہیّتِ واحِد میں تین شخص بتلاتی ہے۔ پھر تناقض کہاں ہے؟

ہاں لفظ وَحدت اور تثلیث میں بظاہر تناقض ہے مگر اِن کے مفاہیم میں جو جُداگانہ ہیں تناقض نہیں ہے۔ پس ایسی دلیل پیش کرنا عقلی ہدایت کے خِلاف ہے، اِس لئے یہ دلیل باطل ہے۔

اُن کی دُوسری دلیل

یہ ہے کہ الہام عقل کا محکُوم ہے کیونکہ اِس کا ثبُوت عقل پر موقُوف ہے۔ چنانچہ یہ بھی باطل ہے۔

باب دُوم میں دِکھلایا گیا ہے کہ عقل بہت باتوں میں ناچار ہے، اِس لئے ہم الہام کے مُحتاج ہیں اور یہ کہ عقل سے الہام

ثابت ہوتا ہے۔ اِس کا نتیجہ یہ نہیں ہے کہ عقل الہام کی حاکم ہے۔ ہم نے خُدا کو عقل سے جانا ہے تو بھی خُدا عقل کا محکُوم نہیں۔ جو چیزیں عقل سے پہچانی جاتی ہیں وُہ عقل کی محکُوم نہیں ہُوا کرتیں بلکہ عقل اُن کی خادِم ہوتی ہے۔ ہم آنکھ کے وسیلے سے سُورج اور اُس کی روشنی کو دیکھتے ہیں تو بھی سُورج ہماری آنکھ کا محکُوم نہیں ہے۔ مگر آنکھ اِس سے فائدہ اُٹھاتی ہے گویا وُہ آنکھ کا حاکم ہے۔

دُوسرا فکر

اُن لوگوں کا ہے جو اِلہام کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر اِلہامی کتابوں میں تثلیث کا ذِکر ہے تو یہُودی اِس کے کیوں مُنکر ہیں؟ لِہٰذا یہ انجیل کا عقیدہ ہے نہ کہ کتبِ سابقہ کا۔

اِس کا جواب یہ ہے کہ ہمارا بھروسا صِرف آدمیوں کے خیالوں پر نہیں بلکہ خُدا کی کتابوں پر ہے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ اپنی مُسلّمہ کتاب کے خِلاف کبھی دھوکے کے سبب آدمیوں کا خیال کچھ اَور ہو جائے۔

مثلاً عصمتِ انبیاء کی نسبت بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وُہ معصُوم ہوتے ہیں، حالانکہ اِلہامی کتب اِس کے خلاف گواہی دیتی ہیں۔ پس آدمیوں کے خیال قابلِ اعتماد نہیں ہیں۔ یہُودی تو المسیح کو بھی نہیں مانتے تو کیا اُن کے نہ ماننے

سے ہمارے سارے قوی دلائل جو اِس المسیح کے ثبوت میں ہیں رد ہو سکتے ہیں؟

یہودی تو پاک کلام کے رُوحانی معنی بھی نہیں سمجھتے تو کیا اُن کے جسمانی بیہودہ معنی کچھ چیز ٹھہریں گے؟ یاد رکھنا چاہیئے کہ بائبل مقدّس نے معرفتِ الٰہی کے بارے میں بتدریج ترقی بخشی ہے نہ کہ دفعتہً۔ جیسے سُورج درجہ بدرجہ چڑھتا ہے یا بچّے ترتیب کے ساتھ تعلیم پاتے ہیں یا درخت بتدریج بڑھتے ہیں۔

دیکھئے خُدا نے اپنے آپ کو ابرہام، اضحاق اور یعقوب پر قادرِ مطلق کے نام سے ظاہر کیا جبکہ وہ مُوسیٰ پر یہوواہ کے نام سے ظاہر ہُوا (دیکھئے خروج ۶: ۳)۔ عہدِ عتیق میں شیطان کا ذکر نہایت مُجمل سا ملتا ہے لیکن عہدِ جدید میں اُس کا صاف صاف بیان ہے۔ تو کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ ابرہام، اضحاق اور یعقوب نے خُدا کا نام یہوواہ نہیں بتلایا اِس لئے اب مُوسیٰ کا بتلایا ہُوا نام ہم کیونکر مانیں یا پُرانے عہدنامے میں شیطان کا مُفصّل حال بیان نہیں ہُوا، اب ہم انجیل کے بیان کو کیوں قبول کریں؟

دیکھئے عہدِ عتیق تو آپ ہمیں کسی اعلیٰ ہدایت کا اُمیدوار بناتا ہے اور خُود کو تکمیل طلب ظاہر کرتا ہے۔ چنانچہ یہ بات بہت سے مقاموں سے ثابت ہے۔ اِس وقت اِس بات پر عہدِ عتیق کے شروع، آخر اور وسط میں خُدا کی تین مُہریں مُلاحظہ ہوں:

۱۔ اِستثنا ۱۸: ۱۵ "خُداوند تیرا خُدا تیرے لئے تیرے ہی درمیان سے یعنی تیرے ہی بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کرے گا۔

تم اُس کی سُننا"۔

۲۔ یسعیاہ ۲: ۳ "خُداوند کا کلام یروشلیم سے صادِر ہوگا"۔

۳۔ ملاکی ۴: ۲ "لیکن تم پر جو میرے نام کی تعظیم کرتے ہو آفتابِ صداقت طالع ہوگا"۔

اور یہ بات یقیناً صحیح اور دُرست ہے کہ عہدِ جدید ہی عہدِ عتیق کا تکملہ ہے۔ عہدِ جدید کے بغیر عہدِ عتیق ایک ایسا بدن ہے جس میں رُوح نہ ہو۔ عہدِ عتیق کی سب باتیں عہدِ جدید میں حل ہوتی ہیں، ایسا جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ عہدِ عتیق، عہدِ جدید کا سایہ ہے۔ لیکن یہ بات اُن ہی پر ظاہر ہے جو اِن کتابوں سے واقف ہے۔

مُمکن ہے کہ تصویر میں کوئی نکتہ قابلِ تشریح رہ جائے۔ مگر جب تصویر کا عین ظاہر ہو تو وہ نکتہ خُود بخُود سمجھ میں آجائے گا۔ اور جبکہ تصویر شمسی ہے جس میں غلطی ہی نہیں ہو سکتی تو عین کے تمام دقائق اُس میں مِلیں گے۔ اَب جبکہ انجیل نے تثلیث کو خُوب دِکھایا ہے تو چاہیئے کہ انجیل کے سایہ یا تصویر میں تلاش کریں کہ وہاں تثلیث کے نِشان ہیں یا نہیں۔ وہاں تو کثرت سے یہ اَسرار بیان ہُوئے ہیں۔ مُلاحظہ کیجئے:

پیدائش ۱: ۱-۲ میں خُداوند خُدا کی رُوح اور کلمے کی طرف اشارہ ہے۔ پیدائش ۱: ۲۶ میں "ہم .... بنائیں" کے الفاظ ہرگز تعظیم کے لئے نہیں ہیں۔ یہ وحدت میں کثرت کو دِکھاتے ہیں جو تثلیث ہے، اور نہ یہاں فرشتے مخاطب ہیں۔

پیدائش ۳: ۲۲ "دیکھو انسان نیک و بد کی پہچان میں ہم میں سے

ایک کی مانند ہو گیا" صاف ظاہر کرتا ہے کہ الوہیت میں اقانیم ہیں جو برابر کا رتبہ رکھتے ہیں۔ (مزید دیکھئے پیدائش ۱۱: ۷)۔

زبور ۱۱۰: ۱ "یہوواہ نے میرے خداوند سے کہا تو میرے دہنے ہاتھ بیٹھ"۔ باپ نے بیٹے کو دہنے بٹھلایا۔ زکریاہ ۱۳: ۷ میں ایک شخص کا ذکر ہے جو خدا کا ہمتا ہے اور وہ مسیح خداوند ہے جس نے خود اس خبر کو انجیل میں اپنی نسبت بتایا (دیکھئے متی ۲۶: ۳۱؛ مرقس ۱۴: ۲۷)۔

ان کے سوا اور بھی بہت سی دقیق اور گہری آیات ملتی ہیں جو اسی حقیقت کو ظاہر کرتی ہیں۔ اور خدا کی روح کا ذکر تو عہد عتیق میں جگہ جگہ ملتا ہے۔ پس یہودیوں کا نہ ماننا کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔ ہم تو ثابت کر چکے ہیں کہ یہودی بہت سے بھیدوں کو یقیناً نہیں جانتے، تو بھی ان میں سے جتنے ان پر غور کرتے ہیں جان جاتے ہیں اور دین مسیحیت کا شروع بھی انہی یہودیوں سے ہوا ہے۔ پس جو یہودی نہیں مانتے وہ یقیناً گمراہ ہیں۔

تیسرا فکر

اُن کا ہے جو تثلیث کو تسلیم کرتے ہیں اور اُس کو اپنے ایمان کی بُنیاد سمجھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ عقل بے شک عمدہ چیز ہے مگر اپنی حد کے اندر۔ کون اس قاعدے کو رد کر سکتا ہے؟

جہاں عقل کا ہاتھ نہیں پہنچتا وہاں عقل ہی کی صلاح سے ہم الہام کی پیروی کرتے ہیں کیونکہ الہام نے انسان کی اصلاح کے بارے

میں عقل سے زیادہ تعلیم دے کر اور پیش گوئیوں کے وسیلے سے اپنی بصارت بے حد دکھلا کے اور معرفت الٰہی کے اسرار بکثرت ظاہر کر کے ہمیں اپنا گرویدہ بنا لیا ہے۔

پس معرفت الٰہی کے بارے میں جو کچھ وہ ہمیں بتلاتا ہے، ہم بے چون و چرا مانتے ہیں کیونکہ عقل ہی ہمیں یوں سکھلاتی ہے کہ الہام سے انحراف کرنا ہلاکت میں جانا ہے۔

گیارہواں باب

برحق خدا

۱- ہر ایک کتاب جو مدعی ہدایت ہے اپنی سب ہدایات کے ساتھ ایک خدا کو بھی پیش کرتی ہے - اگر وہ کتاب خدا کی طرف سے ہے تو اس نے ساتھ ہی اپنے آپ کو بھی ضرور پیش کیا ہوگا - اور اگر وہ عقل کی پیداوار ہے تو وہ خدا بھی جو اس میں مذکور ہے عقل کی ایجاد ہوگا -

۲- اگرچہ فی الحقیقت سب کا خالق ایک ہی خدا ہے لیکن سب کے ذہن میں ایک ہی خدا نہیں بستا ہے - اہل ہمہ اوست کے ذہن میں وحدت الوجود کا خدا بستا ہے - بعض کے ذہن میں نرگن[1] خدا ہے اور بعض کے خیال میں ستوگن[2] خدا ہے - مسیحیوں کے خیال میں وہ تثلیث فی التوحید کا خدا ہے جس کا ازلی حقیقی بیٹا یسوع المسیح ہے اور وہ صرف خیر کا خدا ہے مقدر شر نہیں ہے - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک کا خدا جدا ہے -

۳- جیسے کہ پیش شدہ کتاب کی سب ہدایات پر پیش کنندہ کی حالت پر محقق کو فکر کرنا واجب ہے ایسے ہی بلکہ اس سے زیادہ پیش شدہ خدا کی نسبت فکر کرنا واجب ہے -

---

[1] بے وصف [2] باوصف اور پوتر

۴- آج ہم بائبل مقدس کے خدا پر فکر کریں گے کہ وہ کیسا ہے - ابھی اتنی فرصت نہیں کہ ہر پیش شدہ خدا پر فکر کر کے دکھاؤں کہ وہ کیسا ہے - مگر ہم جانتے ہیں کہ دنیا کے تمام خداؤں میں کتاب مقدس کا خدا نرالی صفات کا حامل ہے -

۵- کتاب مقدس کا خدا ہم اس خدا کو کہتے ہیں جس کا ذکر بائبل مقدس میں ہے اور جو اس کی معرفت بنی آدم کو ہدایت کرتا ہے - اسی خدا کی نسبت فخر کے ساتھ ہمارا دعویٰ ہے کہ یہی خدا سچا، برحق اور پرستش کے لائق ہے - اسے قبول نہ کرنا سچے خدا سے الگ ہونا ہے -

۶- اس بات کو عقل نے بھی تسلیم کر لیا ہے کہ خدا میں بے حد خوبیاں ہیں - لیکن عقل میں ہرگز اتنی طاقت نہیں کہ ان بے حد خوبیوں کا ذکر مناسب طور پر کر سکے - لہٰذا وہ کتاب جو آدمی کے خیال سے نکلی، اس خوبی سے ضرور خالی ہوگی لیکن جو کتاب خدا کی طرف سے ہے اس خوبی سے یقیناً بھرپور ہوگی -

اس ضمن میں تسلی کا موجب دو باتیں ہوں گی :

(۱) وہ کتاب خوبیوں کا ایسا مخزن ہو کہ ہر عقلمند اور حق جو آدمی کو اسے دیکھنے سے کامل اطمینان حاصل ہو اور اس کا ضمیر اس کے من جانب اللہ ہونے پر گواہی دے -

(۲) یہ خوبیاں نہ صرف چند الفاظ میں ہوں بلکہ اس میں مندرج اوامر و نواہی اور واقعات و اخبارات گواہی دیں کہ یہ کتاب خدا کی طرف سے ہے -

دفعاتِ بالا پر نظر کرنے سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ بائبل مُقدّس میں خدائے برحق نے اپنا اظہار کیا ہے۔ اگر کوئی آدمی اِس کتاب میں سے خُدا کے اوصاف عُمر بھر نکالتا رہے تو بھی ختم نہیں ہوں گے۔ اور اس بات پر اِس گواہی کے عِلاوہ جو ہماری تمیز دیتی ہے دُوسرا گواہ کلیسیا کا الٰہی کُتب خانہ ہے جو اُنیس سو سال میں تیار ہُوا۔

اَب ہم بائبل مُقدّس میں سے صِرف دُہی اوصاف بیان کرتے ہیں جو نہایت بدیہی اور واضح ہیں۔ باقی اوصاف ناظِرین کے تجسّس پر چھوڑے دیتے ہیں۔

بائبل مُقدّس کے خُدا کی خُوبیاں

۱۔ بائبل مُقدّس کے اَوامر و نواہی نہایت پُرمغز، عُمدہ اور لاثانی ہیں۔ یہ کتاب جہاں کہیں پہنچتی ہے خیر و برکت اِس کے ہم عِنان جاتی ہے۔

۲۔ بائبل کا خُدا نہ تو آتشِ جہنّم کا دہشتناک منظر دِکھا کر اور نہ جنّت کے دِل آویز نظاروں کا لالچ دے کر لوگوں کو اپنی طرف مائل کرتا ہے۔

۳۔ بائبل کا خُدا اِنسان کو جہاں تک اُس کا حق ہے جائز آزادی دیتا ہے اور جہاں تک اِنسان کی بہتری ہے وہاں تک اُس کو جائز قرار دیتا ہے۔ وُہ کہتا ہے کہ ایمان اور اُمّید کے ساتھ جو چاہو سو کرو، مگر خُدا کا جلال ہر حال میں مدِّ نظر رہے۔

۴۔ بائبل کا خُدا چاہتا ہے کہ لوگ اُس کی اِطاعت خُوشی سے کریں۔ وُہ جبراً کِسی کے سر پر بھاری بوجھ نہیں رکھتا۔ وُہ کہتا ہے کہ اگر یہ کرو تو تمہاری بہتری ہے اور اگر نہ کرو تو ہلاکت ہے۔ اب تمہیں اِختیار ہے جسے چاہو چُن لو۔

۵۔ بائبل کا خُدا اِنسان کو ہر طرح سے قائل کر کے ایسی ہدایت کرتا ہے کہ اگر آدمی اُس کی ہدایت سے نہ سُدھرے تو پھر ناممکن ہے کہ کوئی اَور ہدایت اِس کی اصلاح کر سکے۔

۶۔ بائبل کا خُدا ہماری رُوح کی بے حد قدر کرتا ہے۔ اُس کے نزدیک ایک رُوح کی قیمت بہت زیادہ ہے۔ اِس لئے وُہ نہیں چاہتا کہ کوئی رُوح ہلاک ہو۔

۷۔ بائبل کا خُدا چاہتا ہے کہ ہم لوگ گُناہ، گُناہ کے انجام اور عذاب سے بالکل چھُوٹ جائیں۔ اِس مقصد کے لئے اُس نے حسبِ ذیل اِنتظام کیا ہے:

(۱) وُہ اپنے پاک کلام کی روشنی میں گُناہ کی قباحتیں دِکھلا کر گُناہ سے نفرت دلاتا ہے۔

(۲) وہ ہماری جانوں کا کفّارہ دے کر ہمیں گُناہ کی قید سے چھُڑاتا ہے۔

(۳) اِس کے بعد وُہ ایک نئے بدن کا وعدہ کرتا ہے تاکہ خُدا کی صُورت میں ہو کر گُناہ اور اُس کے نتیجے یعنی موت سے بالکل علیحدہ رہیں۔

۸۔ جب کوئی اِس خُدا پر ایمان لاتا ہے تو وُہ اُس کا مُعلّم و اُستاد،

بادشاہ اور قوّت بن کر اُس کے دِل میں سکونت کرنے لگتا ہے تاکہ اُسے گناہ سے بچائے، ابدی مکانوں کے لائق بنائے اور اُس کے وسیلے سے اپنا جلال ظاہر کرے۔ پھر اُس آدمی کی باطنی ترقّی ہونی شروع ہو جاتی ہے۔

۹- بائبل کا خُدا اپنے آپ کو اپنے بندوں کا باپ بتلاتا ہے۔ اور وہ اُس کے فرزند بن جاتے ہیں اور اُن میں درجہ بدرجہ اُس کا مِزاج پیدا ہونے لگتا ہے۔ تب اُن سے محبّت، خیر خواہی، پاکیزگی اور الٰہی زندگی و راستبازی ظاہر ہونے لگتی ہے جو ظاہر کرتی ہے کہ خُدا ضرور اُن کا باپ ہے۔

۱۰- ہم نے اقنوم ثلاثہ کا ذِکر نویں اور دسویں باب میں کیا تھا۔ اب وہ ہمیں بائبل میں اور واقعات میں صاف صاف نظر آتے ہیں یعنی باپ نے جو پہلا اقنوم ہے ہمیں پیدا کیا اور بیٹے نے جو دُوسرا اقنوم ہے خُدا باپ کے ساتھ ہمارا میل ملاپ کرایا اور رُوح القدس جو تیسرا اقنوم ہے ہمیں خُدا سے مِلنے کے لئے تیار کر رہا ہے۔

۱۱- بائبل کا خُدا ہمیں اِس قدر پیار کرتا ہے کہ اُس نے اپنے اِکلوتے بیٹے کو دُنیا میں بھیجا تاکہ ہم گنہگاروں کی خاطر طرح طرح کی تکلیفیں سہے اور بالآخر اپنی جان دے کر ہمیں گناہوں کی قید سے رہائی بخشے۔ یہ ایک ایسی محبّت ہے جس کی مثال پیش کرنے سے دُنیا قاصر ہے۔

۱۲- بائبل کا خُدا نہ صرف زِندہ خُدا ہے بلکہ عالم الغیب بھی ہے جس نے اپنے مُقدّس بندوں کی تسکین کی خاطر تمام آئندہ واقعات

کو صاف صاف بیان کیا ہے تاکہ کسی واقعے کے واقع ہوتے وقت اُس کے بندوں کو پریشانی نہ ہو۔

۱۳- بائبل کا خُدا اپنے بندوں کی ناچاری کی حالت میں مدد کرتا ہے۔ اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ صادِق القوَل اور وفادار خُدا ہے۔ اُس کی وفاداری اُن واقعات سے ظاہر ہے جو کلیسیا میں رُونما ہوتے ہیں۔ وہ ظاہری صُورت پر نظر نہیں کرتا بلکہ غریبوں اور حقیروں کو جو اُس سے ڈرتے ہیں سربلندی بخشتا ہے لیکن شریروں کو پٹک دیتا ہے۔

۱۴- بائبل کے خُدا نے بہُت سے وَعدے کئے ہیں۔ بعض اِس جہان کے لئے ہیں اور بعض آئندہ جہان کے لئے۔ وُہ وعدے جو اِس جہان کے لئے تھے اِن میں سے اِتنے پُورے ہو چُکے ہیں کہ باقی وعدوں کے پُورا ہونے کا یقین کامِل ہے۔

۱۵- اِس خُدا نے اپنی قدرت اُن مُعجزوں اور پیشینگوئیوں کے وسیلے سے دِکھلائی ہے جِس کا ہم سے اِنکار نہیں ہو سکتا۔ یُوں ہمیں یقین ہے کہ بائبل کا خُدا قادرِ مُطلق خُدا ہے۔

۱۶- بائبل کے خُدا نے اپنی پاکیزگی اور عزّت اور بزُرگی یہاں تک دِکھائی ہے کہ اِنسان کے خیال سے بھی باہر ہے۔ پس یہ خُدا اِنسان کے خیال سے نِکلا ہُوا نہیں ہے۔

۱۷- بائبل کے خُدا کی راہیں پاک و صاف اور سیدھی ہیں جبکہ اِنسان کی راہیں گُناہ آلودہ اور ٹیڑھی ہیں جِس پر چل کر وہ منزلِ مقصُود تک نہیں پہنچ سکتا۔

۱۸- اِس خُدا نے اپنی مرضی کو نہ جوش و غضب سے، نہ خُود غرضی اور تحریص سے بلکہ حِلم و بُردباری اور خیر خواہی سے بے رُو رعایت ہر ایک شخص پر ظاہر کیا ہے۔

۱۹- بائبل کا خُدا نہ صرف محبّت ہی ظاہر کرتا ہے بلکہ وُہ اُن لوگوں کو جو اُس کے حُکموں پر نہیں چلتے خوف بھی دلاتا ہے۔

۲۰- اُس نے نجات کا حصُول صرف المسیح کے کفّارے پر مُنحصر رکھا ہے۔

پس تثلیث فِی التّوحید والا خُدا جو بائبل کا خُدا ہے سچّا خُدا ہے۔

داؤد نبی نے خُوب کہا

"... تاکہ دُنیا جان لے کہ اِسرائیل میں ایک خُدا ہے"
(۱-سموئیل ۱۷: ۴۶)۔

مَلِکہ سبا نے خُوب کہا

"خُداوند تیرا خُدا مُبارک ہو... خُداوند نے اِسرائیل سے سدا محبّت رکھّی" (۱-سلاطین ۱۰: ۹)۔

نبُوکدنضر نے خُوب کہا

"فِی الحقیقت تیرا خُدا معبُودوں کا معبُود اور بادشاہوں

کا خُداوند اور بھیدوں کا کھولنے والا ہے"

"مَیں یہ فرمان جاری کرتا ہُوں کہ جو قوم یا اُمّت یا اہلِ لُغت سدرک اور میسک اور عبد نجُو کے خُدا کے حق میں کوئی نامُناسب بات کہیں اُن کے ٹُکڑے ٹُکڑے کئے جائیں گے اور اُن کے گھر مزبلہ ہو جائیں گے کیونکہ کوئی دُوسرا معبُود نہیں جو اِس طرح رہائی دے سکے" (دانی ایل ۲: ۴۷؛ ۳: ۲۹)۔

ایلیاہ نبی نے کیا خُوب کہا

"اے خُداوند ابرہام اور اضحاق اور اسرائیل کے خُدا! آج معلوم ہو جائے کہ اِسرائیل میں تُو ہی خُدا ہے"
(۱-سلاطین ۱۸: ۳۶)۔

نعمان ارامی نے بھی خُوب کہا

"دیکھ اب مَیں نے جان لیا کہ اِسرائیل کو چھوڑ اور کہیں رُوئے زمین پر کوئی خُدا نہیں" (۲-سلاطین ۵: ۱۵)۔

حاصِلِ کلام آنکہ یہی بائبل والا خُدا جس کی ذات میں تین اقنوم ہیں برحق خُدا ہے اور ایسی خُوبیاں صرف اِسی میں ہیں۔ اِسی خُدا کو قبُول کرنے والا، خُدا کو جاننے اور ماننے والا

ہے۔ اور جس نے اِسے نہیں مانا، وُہ اب تک خدُا کو نہیں جانتا، مَاننا تو دُور کی بات ہے۔

بارہواں باب

بَدی کا چشمہ

یہ اِس لئے بیان کیا جاتا ہے تاکہ سب اپنی بربادی کا سبب دریافت کر کے اُس سے بچنے کی تدبیر کریں۔ واضح رہے کہ بَدی کے بانی مُبانی کو دریافت کرنے میں سب مُتفق نہیں بلکہ تین مختلف خیالات میں بٹے ہُوئے ہیں۔

پہلا خیال

نیکی اور بدی سب کچھ خدُا کی طرف سے ہے۔ اُس نے آپ آدمیوں کی تقدیر میں لکھا کہ وُہ فلاں کام کریں اور فلاں نہ کریں۔ پس دُنیا میں جو کام ہوتے ہیں سب خُدا کے اِرادے اور اُس کی تجویز میں ہوتے ہیں۔ لہٰذا اِنسان مجبُور ہے۔

اگر کہو کہ خدُا بدی کا خالِق نہیں ہے تو اِس کا کوئی اَور خالِق ہوگا اور خدُا ہر شَے کا خالِق نہ رہے گا بلکہ بَدی اور نیکی کے الگ الگ دو خالِق ہوں گے۔ حالانکہ ہر چیز کا خالق ایک ہی خدُا ہے، اِس لئے بَدی بھی خدُا سے ہے۔ حقیقت یہی ہے مگر اَدب کے

طور پر بدی کو اپنی طرف اور نیکی کو خدا کی طرف منسوب کرنا چاہیئے۔

اِس قول کی تردید

ہم کہتے ہیں کہ نہ تو بدی کا خالق خدا ہے اور نہ اِس کا خالق کوئی دُوسرا خدا ہو سکتا ہے۔ مگر بدی اُس سے ہرگز سرزد نہیں ہو سکتی کیونکہ:

۱۔ خدا جامع جمیع صفاتِ کمال ہے یعنی وُہ تمام طرح کی ناپاکی سے مُبرّا ہے اور اُس کو بدی سے نفرت ہے۔ وہ نہ تو اپنے آپ میں بدی رکھتا ہے اور نہ اپنے لوگوں میں دیکھ ہی سکتا ہے۔

۲۔ اِنسان اپنے اُن افعال کی نسبت جن پر سزا و جزا مُرتّب ہوتی ہے مجبُور نہیں ہے۔ ہاں اُن اُمور میں مجبُور ہے جن پر سزا و جزا مُرتّب نہیں ہوتی مثلاً عُمر، رنگ رُوپ، اولاد اور غریبی امیری وغیرہ۔

۳۔ اگر وُہ اپنے اَفعال میں مجبور ہوتا تو بدی پر نہ تو اُس کا ضمیر اُسے ملامت کرتا اور نہ اِلہام۔

۴۔ اِنسان دو مخالف کششوں میں پھنسا ہُوا ہے، اور اُس کی مرضی کے بغیر کوئی کشش اُس پر اثر انداز نہیں ہو سکتی جس سے اُس کا فاعلِ مختار ہونا ظاہر ہے۔

۵۔ خُدا کے جلال اور انسان کے فاعلِ مُختار ہونے سے ظاہر ہے کہ بدی خُدا سے نہیں ہے۔

۶۔ اگر بدی اور اُس کی سزا خُدا سے ہے تو یہ الٰہی محبّت اور اِنصاف کے برخلاف ہے اور سارے گنہگار مظلوم اور خُدا ظالم ٹھہرتا ہے۔

۷۔ یہ عقیدہ نہایت برباد کُن ہے کیونکہ یہ سب بدکاروں کو بدی پر ایسا اُبھارتا ہے کہ گویا وُہ بدی میں خُدا کی مرضی بجا لاتے ہیں اور نصیحت کو بیکار ٹھہراتا ہے۔

اور اُن کی یہ دلیل کہ "اگر بدی کا کوئی اَور خالق ہے تو دو خُدا ثابت ہوں گے" دو وجہ سے باطل ہے:

۱۔ نیکی اور بدی بذاتِ خود وجُود نہیں رکھتیں بلکہ کرنے والے سے وجُود میں آتی ہیں۔ پس جبکہ وُہ اِس قسم کی شے ہیں تو اُن کا خالق خُدا کیونکر ہو سکتا ہے؟

۲۔ بدی کا خالق اپنی ذاتی قوّت سے اُس کا مُوجد نہیں ہے بلکہ خُدا کی طرف سے عطا کردہ قوّت کے بے جا اِستعمال سے۔ پس وُہ کیونکر شریکِ باری ہو سکتا ہے؟ مثلاً ایک باپ نے اپنے بیٹے کو کچھ روپے دیئے تاکہ وُہ اِس کے وسیلہ سے عزّت و آرام حاصل کرے۔ مگر لڑکا اُن روپوں کو عیاشی میں صرف کرتا ہے تو کیا باپ بدکار ہے یا بیٹا؟ ظاہر ہے کہ بیٹا بدکار ہے کیونکہ باپ کی عطا کردہ قوّت کو بے جا اِستعمال کرتا ہے۔ پس خُدا بدی کا بانی نہیں ہے بلکہ بدی کو اُس کی طرف منسوب کرنا بڑا گناہ ہے۔

دُوسرا خیال

خُدا ہرگز بدی کا بانی نہیں ہے اور نہ شیطان کچھ چیز ہے جس کی طرف بدی منسُوب کی جاتی ہے بلکہ آدمی کا شیطان آدمی ہے۔ آدمی میں شرارت کرنے کی قوّت موجُود ہے۔ اُس سے بدی پیدا ہوتی ہے۔

اِس قول میں کچھ کچھ سچّائی ہے اور کچھ کچھ غلطی بھی۔ یہ سچ ہے کہ خُدا میں بدی نہیں اور کہ آدمی بدی کرتا ہے، مگر شیطان کے وجُود کا اِنکار غلطی ہے۔ اِس کا ذِکر ہم تیسرے خیال میں کریں گے۔

یہ تو سچ ہے کہ آدمی میں ایسی قوّت موجُود ہے کہ اگر چاہے تو نیکی کرے یا چاہے تو بدی کرے۔ لیکن اپنی اِس قوّت کو استعمال کرنے کے لئے وہ ایک راہبر کا مُحتاج ہے جِس کی ہدایت پر وُہ نیکی یا بدی کرتا ہے۔

خُدا تو بدی سے پاک ہے اِس لئے بدی کا مُعلّم یا راہبر کوئی دُوسرا ہی ہو سکتا ہے۔ لیکن وہ دُوسرا راہبر کون ہے؟ عقل اِس کے مُتعلق کچھ نہیں بتلا سکتی اور نہ یہ کہ آدمی نے شرارت کہاں سے سیکھی۔

بدی کے لئے ایک ایسے اُستاد کی ضرُورت ہے جو اِنسان سے زیادہ ہوشیار اور قوّت والا ہو تاکہ وُہ اُسے بدی کی طرف ترغیب و تحریص دے سکے اور اُس کی قوّت کو بے جا طور پر صَرف کرائے۔

اِس بات کو یاد رکھنا چاہیئے کہ دُرست اور غلط امرِ عقلی نہیں ہیں مگر عقل اور الہام دونوں مِل کر کافی وسیلہ ہیں۔ اِس لئے دُرست اور غلط عقل اور الہام سے ثابت ہوں گے نہ کہ صِرف عقل سے۔

پس جب کہ نیکی اور بدی کا ثبوت عقل اور الہام پر موقُوف ہے تو مُبدائے شرارت بھی عقل اور الہام سے ثابت ہوں گے نہ کہ صِرف عقل سے۔

تیسرا خیال

مُبدائے شرارت شیطان ہے۔ وُہی شریرِ اوّل ہے اور ایک ہوشیار اور زور آور رُوح ہے جو اِنسان کی جِنس سے نہیں۔ اُسی کے بہکانے سے اِنسان نے اپنی قوّت کا بے جا اِستعمال کیا اور اب بھی کرتا ہے۔ یہ قول اُسی الہام کا ہے جِس نے ہماری تمام مُشکلات میں مدد کی اور جِس کے کُل اِنسان مُحتاج ہیں۔

لیکن بہُت سے لوگ ایسے ہیں جو اُس کی بابت شک کرتے ہیں اور اِس کا عقلی ثبوت مانگتے ہیں، اِس لئے اُس کی بابت چند دلائل پیش کئے جاتے ہیں:

۱۔ کیا یہ ناممکن ہے کہ اِس مادّی عالم کے عِلاوہ ایسا عالم بھی ہو جو غیر مادّی اور غیر مرئی ہو؟ ہرگز نہیں۔ پس جب اِس قِسم کا عالم ممکن ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم ملائکہ اور اَرواحِ خبیثہ کے وجُود سے اِنکار کریں۔

۲- جب خُدا کی ہستی کا ثبوت اور ہماری رُوحوں کی ہستی کا ثبوت صِرف ہمارے اور خُدا کے کاموں سے مِلتا ہے تو کیا شیطان کے ثبوت کے لئے شیطانی کام کافی نہ ہوں گے ؟

۳- اِنسان کے اندر دو مختلف ترغیبوں کی آواز سُنائی دیتی ہے، ایک تو یہ کہ تنگ راستے پر چلو اور دُوسری یہ کہ کُشادہ راہ پر چلو۔ پس ہم کو یہاں خُدا اور شیطان صاف دکھائی دیتے ہیں۔

۴- جن میں خُدا کی رُوح ہوتی ہے اُن کی حرکات و سکنات سے اور اُن کی عجیب قوّت و دلیری اور پاکیزگی سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ اِن میں الٰہی رُوح ہے۔ پس جب الٰہی رُوح کا دخول ممکن ہے تو کیا ناپاک رُوح کا داخِل ہونا ممکن نہیں ؟

۵- پاک اور ناپاک رُوحوں کا دخول اور خرُوج تو صاف ظاہر ہے مگر ہماری اصل حالت دونوں سے صاف جُدا معلوم ہوتی ہے۔ یہ اِس امر کا ثبوت ہے کہ کوئی غیر رُوح ہماری رُوح پر اثر انداز ہے۔

۶- اِنسانی تجربہ اِس پر گواہ ہے کہ لوگ اپنی بد خواہشوں کے ایسے غلام ہیں کہ باوجود سخت کوشش کرنے کے بھی وُہ اُس سے نہیں نکل سکتے۔ پس صاف ظاہر ہے کہ ضرور کوئی دُوسری خارجی قوّت ہے جو اُن کی قوّت سے زیادہ ہے اور اُن کو مغلوب کئے رکھتی ہے۔

۷- جب مَیں نیکی کرنا چاہتا ہُوں تو بدی مُجھ سے سرزد ہوتی ہے حالانکہ مَیں ہرگز بدی کا خواہاں نہیں ہُوں۔ پس ضرُور کوئی خارجی تاثیر میری رُوح کی بربادی کے دَرپے ہے۔

۸- اگر بنظرِ غور دیکھا جائے تو صاف ثابت ہوتا ہے کہ ہماری جسمانی اور رُوحانی نیک اور بد خواہشیں خارجی تاثیرات کے بغیر ہرگز بروئے کار نہیں آسکتیں۔

پس یہ ساری باتیں اِنسان کی اندرُونی حالت پر غور کرنے سے پاک رُوح اور بد و ناپاک رُوح کے وجُود پر دلالت کرتی ہیں۔

اگر شیطان کوئی زور آور رُوح نہیں ہے تو وُہ کون ہے جس نے انسانی رُوح کو اتنی بُری طرح سے مغلوب کر کے طرح طرح کے مکر و فریب سے خُدا کے وصال سے دُور کر رکھا ہے ؟

پس یہ اُمور ظاہر کرتے ہیں کہ ضرور کوئی رُوح جو اِنسان کی رُوح سے زور آور ہے اور خُدا کی مخالِف ہے آدمیوں کو ورغلا رہی ہے۔

اِس کے بعد جب ہم الہام پر نظر کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ شیطان خاص خاص موقعوں پر ظاہر ہُوا۔ اوّل آدم پر جو خُدا کا خلیفہ ہونے کی حیثیّت سے اِس دُنیا میں پیدا ہُوا۔ اس کی شان و شوکت اس بدرُوح کے مکر و فریب کے باعِث برباد ہُوئی۔

دُوم اِلمسیح کے وقت میں جو آدمیوں کو نجات دینے کے لئے آیا تھا، شیطان کی عجیب مخالِفت نظر آتی ہے۔

مسیح کے کام کے شرُوع میں ہی شیطان نے اُس پر ایک بڑا حملہ کیا لیکن فتح نہ پاسکا۔ پھر اُس کے کام کے آخر میں اُس کی انتہائی مخالفت ظاہر ہُوئی لیکن مسیح نے اُس کا سر کچل کر اُس پر فتح

پائی، حالانکہ اُس وقت یُوں محسُوس ہوتا تھا کہ شیطان بڑی قوّت والا اور بڑا مکار ہے۔ اُس کے پاس فوج بھی بہُت ہے جو مسیح کی مخالفت پر یہُودیہ میں ظاہر ہُوئی۔ اِس کے عِلاوہ خُدا کی بادشاہت جہاں جاتی ہے وہاں شیطان کا بڑا زور نظر آتا ہے۔ آدمی کچھُ بھی ہو جائے دُنیا پروا نہیں کرتی، لیکن اگر مسیحی ہو جائے تو اُس پر چاروں طرف سے شیطان کے شاگردوں کا حملہ اور یلغار ہوتا ہے۔ اِس سے ظاہر ہے کہ ضرُور مسیحی دِین خُدا کا دِین ہے اور اِس کے مخالِف کوئی رُوح ہے جو اِنسانوں کو اُبھارتی ہے اور وُہی شیطان ہے۔

حاصِلِ کلام

شریر اوّل اور مُبدائے شرارت شیطان ہے لیکن اُس کی شرارت آدمی کی مرضی سے اُس میں تاثیر کرتی ہے۔ آدمی کو چاہیئے کہ اپنی حفاظت کرے اور اُس سے بچنے کے لئے خُدا سے مدد مانگے۔

سُوال

شیطان کِس کی طاقت سے شرارت کرتا ہے؟

جواب

شیطان مخلُوق ہے اور اُسے بھی فاعِلِ مُختار پیدا کیا گیا تھا۔ لیکن

اُس نے اپنے اختیار کو بے جا اِستعمال کیا اور مُبدائے شرارت ہو کر ابدی سزا کا حقدار ٹھہرا اور اپنی نجات سے مُطلق مایوس ہو گیا ہے۔ اُس پر خُدا کی درگاہ سے سزا کا قطعی فتویٰ لگ چُکا ہے، اِس لئے وُہ نیکی کا دُشمن اور بدی کا دوست بن گیا ہے۔ اب اُس کا مزہ اِسی میں ہے کہ بہُت سی رُوحوں کو اپنے ساتھ جہنّم میں لے جائے۔ اِسی لئے اُس نے دُنیا میں قسم قسم کے جال پھیلائے ہیں اور اُن میں آدمیوں کو پھانس کر برباد کر دیتا ہے۔

جو لوگ اُس کے مُنکر ہیں، وہ زیادہ خطرے میں ہیں، کیونکہ اُن کے دِل میں اُس کا خوف نہیں رہتا اور نہ وہ اُس سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لہٰذا وُہ اُس کے دام میں آسانی سے پھنس جاتے ہیں۔ اور وُہ خُدا کو مُتضاد صِفات والا جان کر اپنی بدخواہشوں کو بھی مُتضاد صِفات کا مظہر قرار دیا کرتے ہیں اور پھر گُناہ کو گُناہ نہیں جانتے اور نتیجۃً بدی میں خوب کھیلتے ہیں۔

پس بھائیو! یقین جانیں کہ آپ کی جانوں کا ایک دُشمن ہے جِس کا نام شیطان ہے۔ وہ بہُت زور آور رُوح ہے اور اُس نے بہُتوں کو مغلُوب کیا ہُوا ہے۔ اُس سے بچنے کی صِرف ایک راہ ہے اور وُہ مسیح یسُوع ہے۔ جو لوگ شیطان سے پناہ لینے کے لئے مسیح کے پاس آتے ہیں وُہ بچائے جاتے ہیں۔

تیرہواں باب

بدی کیا ہے؟

گزشتہ اوراق میں اِس امر کا ذکر ہُوا کہ اُمورِ نادرست بدی ہیں اور یہ کہ درست اور نادرست کے دریافت کرنے کے لئے عقل کافی نہیں ہے لیکن عقل اور الہام ہر دو سے یہ خوب معلوم ہو سکتے ہیں۔

گناہ یا بدی کی تعریف یوحنا رسول نے یوں کی ہے: "گناہ شرع کی مخالفت ہی ہے" (۱-یوحنا ۳: ۴)۔

شرع کا اطلاق شرع مکتوب فی القلوب اور شرع مکتوب فی الکتاب پر ہوتا ہے۔ شرع وہ راہ ہے جس کو خدا نے آدمی کے لئے تجویز کیا ہے۔ اِسی پر ضمیر دلالت کرتا ہے اور بائبل بھی اِسی پر آدمیوں کو چلانا چاہتی ہے۔ پس خدا کی طرف سے آدمیوں کے لئے جو راہ مقرر ہے اِس سے اِنحراف گناہ یا بدی ہے۔

شیطان نے جب المسیح کی بشریت کا امتحان کیا تو وہ چاہتا تھا کہ اُس کو اِنسانیت کی راہوں سے ہٹا دے۔ اِنسانیت کی راہوں میں سے ایک یہ ہے کہ اِس کا خدا پر کامل بھروسا ہو نہ کہ ذرائع پر۔ لیکن شیطان نے اُس کے سامنے پتھر رکھ کر کہا کہ اِن کو روٹی بنا، کیوں

بھوکا رہتا ہے؟ المسیح نے جواب دیا کہ اِنسان خدا کے حکم سے جیتا ہے نہ کہ روٹی سے۔ پھر شیطان نے کہا کہ اپنے آپ کو ہیکل کے کنگرے سے گرا کر خدا کو آزما۔ المسیح نے کہا کہ مَیں بے ایمان نہیں ہُوں کہ خدا کو آزماؤں۔ خدا کا حفاظت کا وعدہ اِنسان کے راہِ راست پر چلنے میں ہے نہ کہ اُس کی بے راہی میں۔ اِنسان کی راہ یہ ہے کہ سیڑھی سے نیچے اُترے نہ کہ چھت پر سے کُودتا پھرے۔ شیطان نے مزید کہا کہ مجھے سجدہ کر اور دُنیا کی سب شان و شوکت لے لے۔ المسیح نے جواب دیا کہ انسان کا فرض یہ ہے کہ صرف خدا کو سجدہ کرے نہ کہ کسی مخلوق کو، اِس لئے دُور ہو اے ملعُون۔

پس جب آدمی اپنی راہ کو چھوڑتا ہے تو یہی بدی ہے۔

آدم کے لئے خدا نے ایک راہ مقرر کی تھی کہ ہر درخت سے پھل کھانا مگر ایک درخت سے نہ کھانا۔ جب اُس نے اپنی راہ کو چھوڑا تب پہلا گنہگار ہُوا۔ بعض کہتے ہیں کہ الٰہی مرضی کے خلاف کام کرنا گناہ ہے۔ ایک طرح سے یہ درست ہے کیونکہ جو راہیں خدا نے ہمارے لئے مقرر کی ہیں اُن سے انحراف خدا کی مرضی سے اِنحراف ہی ہے۔

جو راہیں خدا نے مجملاً آدمی کے ضمیر میں اور مفصّلاً بائبل میں دکھائی ہیں، اگر اُن پر چل کر حقوق اللہ اور حقوق العباد کو پُورا کرتا ہے تو اُس کے قدم سلامتی کی راہ پر رہتے ہیں اور وُہ اِن راہوں سے خدا تک پہنچ سکتا ہے۔ لیکن جب ہم خدا کے حق کو برباد کرتے اور ہمسایوں کے حق میں خیانت کرتے ہیں تو بدی کرتے ہیں کیونکہ الٰہی راہوں کو

چھوڑ دینا ہی بدی ہے۔

نتیجہ

خُدا کی شرع اور اِنسان کا ضمیر دونوں ہمیشہ برابر ہیں جبکہ اِنسان کی بنائی ہُوئی شرع ہرگز ضمیر کی تحریکات کے موافق نہیں ہوتی۔ لہٰذا جو گناہ سے بچنا چاہتا ہے اُسے چاہیئے کہ وُہ اُس شرع کے اِنحراف سے بچے جو ضمیر کے موافق ہوتی ہے۔

خُدا کا کلام بتاتا ہے اور اِنسان بھی اِس کا مشاہدہ کرتا ہے کہ کُل اِنسان گُناہ میں پھنسے ہُوئے ہیں۔ اِس کائنات کی کوٹھڑی یعنی دُنیا میں ماسوائے یسوع مسیح کے کوئی بے گناہ نظر نہیں آتا۔ کچھ نہ کچھ داغ سب کو لگا ہُوا ہے۔ سب ہی اِکتسابی اور موروثی گُناہ میں پھنسے ہُوئے ہیں۔ سب نے اپنی راہوں کو چھوڑا اور خُدا کی شریعت کو توڑا ہے۔

خُدا کے کلام میں گُناہ کو کوڑھ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ کوڑھ کا مرض اندر سے شروع ہوتا ہے اور پھر گودے اور ہڈی سے جسم پہ نمایاں ہوتا ہے۔ اِسی طرح گُناہ دِل سے جو خیالات کا سرچشمہ ہے نکلتا ہے اور پُختہ ہو کر قول و فعل میں ظاہر ہوتا ہے۔

کوڑھ سے آدمی کے اعضا گرنے شروع ہو جاتے ہیں، اِسی طرح بدکاروں کے ضمیر کی باطنی طاقتیں روز بروز فنا ہوتی جاتی ہیں۔

کوڑھ مُتعدّی بیماری ہے۔ گناہ بھی سخت مُتعدّی ہے۔ فوراً ایک سے دُوسرے کو لگتا ہے۔

کوڑھ نفرتی بیماری ہے۔ کوڑھی کو دیکھنے سے اِنسان کے دِل میں خواہ مخواہ نفرت پیدا ہوتی ہے۔ گُناہ اِس سے زیادہ نفرتی چیز ہے۔ خُدا کو اور اُس کے بندوں کو اِس سے سخت نفرت ہے۔

پولُس رسُول گُناہ کو موت کا ڈنک بتلاتا ہے۔ جیسے سانپ یا بچھُو کا ڈنک ہوتا ہے ویسے ہی مَوت کا ڈنک گُناہ ہے۔ جس نے گناہ کیا وُہ جانے کہ مجھے مَوت نے ڈنک مارا ہے۔ اگر مَیں جلدی علاج نہ کرُوں گا تو مَر جاؤں گا۔

لوگ بڑے مزے کے ساتھ گُناہ پر گُناہ کرتے ہیں کیونکہ گُناہ میں جسمانی لذّت مِلتی ہے۔ اور نہ صِرف جاہِل اور بازاری لوگ یہ کام کرتے ہیں بلکہ اَیسے لوگ بھی خوب گناہ کرتے ہیں جو اپنے آپ کو شریعت کا مُعلّم یا صاحبِ عِلم اور مُمتاز شخص سمجھتے ہیں۔ وُہ رِشوت لیتے ہیں، بُرے منصُوبے باندھتے ہیں، جھُوٹ بولتے ہیں، بدنظری کرتے ہیں، ناچ رنگ میں شریک ہوتے ہیں، شراب نوشی کرتے ہیں اور دُوسروں کا حق مارتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

اِس دُنیا کو گُناہ اور بدکاروں نے دوزخ بنا دیا ہے۔ اُنہیں کچھ پروا نہیں کہ خُدا کی حق تلفی ہوتی ہے یا بندوں کی۔ بس وُہ اپنی نفس پرستی میں مگن رہتے ہیں اور اپنے انجام کے بارے میں نہیں سوچتے۔

گُناہ کے نتائج

۱- گُناہ خُدا کی غیرت کو اُبھارتا ہے اُس کے غضب کو برانگیختہ کرتا ہے۔

چنانچہ ازمنۂ سابق کی تاریخ گواہ ہے کہ کتنی قومیں اور سلطنتیں اور خاندان گناہ کے سبب سے برباد ہُوئے۔ اِس زمانے میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ دُنیا میں کیا سے کیا ہو جاتا ہے۔ جہاں بُدی ہے وہاں بربادی کھڑی ہے۔ اُن شہروں اور گھروں پر جہاں بدی ہوتی ہے خُدا کا غضب نازل ہوتا ہے اور وُہ جلد ہی برباد ہو جاتے ہیں۔ اُن کی اولاد پر بھی اُن کے باپ دادا کی بدیوں کی سزا نازل ہوتی ہے۔

۲- گُناہ کے سبب خُدا کی آسمانی برکات کا نزُول بند ہو جاتا ہے۔

یرمیاہ نبی کہتا ہے "تُمہاری بدکرداری نے اِن چیزوں کو تُم سے دُور کر دیا اور تُمہارے گُناہوں نے اچھی چیزوں کو تم سے باز رکھا" (یرمیاہ ۵ : ۲۵)۔ اور بعض اوقات برکات بالکل منقطع ہو جاتی ہیں اور قحط سالی، مری، تنگی اور بے برکتی کا ظہور ہوتا ہے۔ یوں خُدا آدمیوں کو اُن کے گُناہوں پر تنبیہ کرتا ہے۔

۳- گناہوں کا ایک اور نتیجہ دِل کی بے چینی ہے۔ بدکار آدمی کیسا ہی بے وقوف ہو اور شرارت میں کتنا ہی مگن کیوں نہ رہتا

ہو، اُس کے گُناہ اُس کے ضمیر کو کاٹتے رہتے ہیں۔ شاید وہ طرح طرح کی تاویلیں کر کے اپنے آپ کو معذور ثابت کرے لیکن مَوت کا یہ ڈنک اُس کے ضمیر میں بےچینی پیدا کر دیتا ہے۔ اور جب وہ اپنی بدمستی اور شرارت سے باز نہیں آتا اور متواتر اُس میں مصروف رہتا ہے تو گُناہ اُس کے دِل میں بےچینی پیدا کر دیتا ہے اور بعض اوقات اُسے مَوت کے گھاٹ بھی اُتار دیتا ہے۔

۴- الہام جو عقل کا مُعلّم اور اُستاد ہے زیادہ تر گُناہ کے نادیدنی نتائج دِکھلاتا ہے۔ اور جبکہ ہمیں اِس کے دو تین خوف ناک نتائج کا علم ہے تو اِس کے بتلائے ہُوئے دیگر بُرے نتائج کا کیونکر یقین نہ کریں۔

الہام ہمیں گُناہ کا پہلا نتیجہ یہ بتلاتا ہے کہ ساری مُصیبتیں، بیماریاں اور تکالیف بلکہ مَوت بھی گُناہ کے سبب دُنیا میں آئی ہے۔ اگر گناہ نہ ہوتا تو ہم اِن مُصیبتوں کا مُنہ نہ دیکھتے۔ اگر کوئی اپنے ضمیر سے پُوچھے کہ خُدا جو ساری خُوبیوں کا سرچشمہ ہے اور جس کی محبّت اور اُلفت اِس بدحالی میں بھی ہم پر خُوب روشن ہے، اُس نے یہ مَوت اور دُنیاوی مصائب ہم پر کیوں نازل کئے ہیں؟ تو اِس کا سبب بجُز اِس کے اَور کیا ہو سکتا ہے کہ وُہ ہم سے ناراض ہے اور اُس کی ناراضی کا سبب اَور کچھ نہیں ہو سکتا ماسوا گُناہ کے۔

۵- الہام ہمیں یہ بھی بتلاتا ہے کہ چھوٹے سے گُناہ کا عذاب بھی بہت زیادہ ہے کیونکہ گناہ خُدا کے سامنے قرض کی مانند ہے،

جب تک کوڑی کوڑی ادا نہ کریں گے عذاب میں مُبتلا رہیں گے۔ لیکن اِس کا ادا کرنا اِنسان کی طاقت سے خارج ہے، اِس لئے مُنصِفِ صادق کی کامل عدالت ابد تک سزا میں رکھے گی۔ اِس اَبدی عذاب سے چھُوٹ جانے کی اُمّید تو ہے مگر صرف اِس صُورت میں کہ زمین و آسمان میں کوئی شفیق اور رحیم و غنی ہو جو ہمارا قرضہ ادا کر کے ہمیں چھُڑائے۔

۶۔ اِلہام ہمیں یہ بھی بتلاتا ہے کہ اِس زندگی میں اِس کا تدارک ہو سکتا ہے۔ ہم عدالت کے سامنے جانے سے پہلے اپنے مُدّعی سے صُلح کر سکتے ہیں، لیکن عدالت میں حاضر ہونے کے بعد یہ ممکن نہیں۔ وہاں رحم اور سفارش کسی کی مدد گار نہیں ہو سکتی۔ ہاں عدالت سے پہلے صُلح کر کے اپنا نام مجرموں کی فہرست سے کٹوا ڈالنا چاہیئے تاکہ ہمارا حساب ہی نہ لیا جائے۔ جب حساب لیا گیا اور سزا کا حُکم جاری ہو گیا تب خلاصی کی اُمّید نہیں رہے گی۔

پس اَے بھائیو! اگرچہ گُناہ نہایت بُرا ہے اور اِس کا عذاب بہُت ہی سخت ہے تو بھی اِس زندگی میں اِس سے مخلصی کی اُمّید ہے۔ اِس وقت کو غنیمت جانیں اور جب تک خُدا مِل سکتا ہے مِلنے کی کوشش کریں۔

بھائیو! عربی زبان میں ایک مَثل مشہور ہے کہ مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ یعنی جس نے اپنے آپ کو پہچانا اُس نے اپنے ربّ کو بھی پہچانا۔ اگرچہ مختلف لوگوں نے اِس

مَثل کے معنی مُختلِف بتائے ہیں لیکن اِس کا حقیقی مطلب یہ ہے کہ آدمی کو چاہیئے کہ پہلے اپنی حالت پر سوچے کہ مَیں کون ہُوں، اور کس حالت میں ہُوں۔ جب وُہ اپنی حالت سے کُچھ واقف ہو جاتا ہے تو اُس میں اپنے ربّ کو پہچاننے کی اِستعداد بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور یہ اِس طرح سے ہوتا ہے کہ جب ہم اپنی طرف دیکھتے ہیں تو ہمیں صاف معلُوم ہوتا ہے کہ ہماری اَصل تو خُوب ہے کیونکہ ہم میں ایک رُوح ہے جو عالمِ بالا کا جوہر ہے۔ لیکن تباہ حالی کی وجہ سے ہمیں گُناہ لذیذ معلُوم ہوتا ہے اور ہم بدخواہشوں کے غُلام بن گئے ہیں جس کے نتیجے میں گُناہ کا عذاب ہمیں گھیرے ہُوئے ہے جس سے خلاصی پانا ہماری طاقت سے باہر ہے۔ تب ہماری نظر خُدا کی طرف اُٹھتی ہے اور ہمارے کان اُس کی آواز کو سُنتے ہیں۔ جب داؤد بادشاہ پر اُس کے گُناہ ظاہر ہُوئے تو وُہ یُوں بولا: "بے شمار بُرائیوں نے مجھے گھیر لیا ہے۔ میری بدی نے مجھے آپکڑا ہے۔ ایسا کہ مَیں آنکھ نہیں اُٹھا سکتا۔ وُہ میرے سر کے بالوں سے بھی زیادہ ہیں۔ سو میرا جی چھُوٹ گیا۔ اے خُداوند! مہربانی کر کے مجھے چھُڑا" (زبُور ۴۰: ۱۲-۱۳)۔

اے بھائیو! جب تک ہم گُناہ کو ایک ہلکی بات جانتے ہیں اور اُس سے گھبراتے نہیں تو ناممکن ہے کہ ہم خُدا کو جانیں، سچّائی کو پہچانیں اور مخلصی پائیں۔ یہ پہلی منزل ہے جو خُدا شناس لوگوں میں پیدا ہوتی ہے کہ وُہ اپنے آپ کو گنہگار جانتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ یہ خُدا کے فضل کا بڑا نشان ہے کہ آدمی اپنے آپ کو گُناہ کی

حالت میں پہچان لے۔ اُس وقت خُدا کا ہاتھ اُس کی اِمداد کے لئے آگے بڑھے گا۔

یہی سبب ہے کہ بہُت سے لوگ حق شناسی کے مُدّعی ہو کر بھی حق کو نہیں پہچانتے کیونکہ وُہ اپنی حالت سے ناواقف ہوتے ہیں۔ جب ہم اپنی بیماری سے ناواقف ہیں تو اِس کا مُناسب علاج کب کر سکتے ہیں؟ لیکن جب بیماری کی تشخیص ہو جائے کہ کیا ہے اور کیسی ہے تب ہم مناسب دوا تجویز کر کے یقین کر سکتے ہیں کہ اِس سے فائدہ ہوگا۔ اور اگر فائدہ نہ ہو تب دُوسری دوا تلاش کر سکتے ہیں۔ جس دوا سے فائدہ ہوگا ہم اُسی کو اپنی بیماری کے لئے مُناسب جانیں گے۔

پس بھائیو! یہی گُناہ کی بیماری کُل بنی آدم کو لاحق ہے۔ جو اِس کا علاج کر سکے وُہی خُدا کا سچّا دین ہے۔

چودھواں باب

طریقِ نجات از رُوئے عقل اور از رُوئے بائبل مُقدّس

اگرچہ از رُوئے عقل ریاضت و نفس کُشی اور اعمالِ حسنہ نجات کے وسائل سمجھے گئے ہیں، اور قسم قسم کے خیالات اِس مقصد کے حصُول کے لئے اِیجاد ہُوئے ہیں، مگر وُہ سب ایک سرسری نظر سے ناقابلِ اعتبار ثابت ہُوئے ہیں۔

عقل صِرف اِتنا کہہ سکتی ہے کہ اگر خُدا اپنے فضل سے ہماری نجات کی کوئی صُورت نکالے تو ہم بچ سکتے ہیں، ورنہ اِنسانی تدبیر اِنسان کو نجات نہیں دِلا سکتی ہے۔

اِس بارے میں عقل کی تدبیر کا یہی لُبِ لُباب ہے جو بیان ہُوا۔ مگر اِس سے اگرچہ رُوح کی نظر ایک نادیدنی غیر معلُوم سچّائی پر قائم تو ہو جاتی ہے لیکن تسکین نہیں ہو سکتی، کیونکہ باطنی آنکھ کے سامنے سے اندھیرا نہیں ہٹ سکتا جب تک کہ خُدا کے خاص فضل کا عِلم حاصِل نہ کیا جائے۔

بائبل مُقدّس نجات کی راہ دِکھاتی ہے

کتابِ مُقدّس دو حِصّوں پر مُشتمل ہے، عہدِ عتیق اور عہدِ جدید۔ مسیحی ہر دو حِصّوں پر ایمان رکھتے ہیں مگر یہودی صِرف عہدِ عتیق کو مانتے ہیں۔

عہدِ عتیق میں نجات کی راہ یُوں مذکور ہے کہ المسیح جو ایک عجیب قُدرت والا شخص ہے آئندہ زمانے میں ظاہر ہوگا اور اپنی قُربانی کے وسیلے سے سب قوموں کے لئے نجات مُہیّا کرے گا۔ نیز یہ بھی بتا دیا ہے کہ وہ فُلاں قوم اور فُلاں زمانے میں اور فُلاں بستی کے اندر لاثانی صفات کے ساتھ ظاہر ہوگا۔ عہدِ عتیق کا یہی لُبِ لُباب ہے اور اِسی شخص پر تمام بُزرگانِ سلف کی نظر لگی ہُوئی معلوم ہوتی ہے۔

شروع میں آدم و حوّا کی نگاہ بھی اِسی شخص پر لگائی گئی تھی: "وہ تیرے سر کو کچلے گا اور تُو اُس کی ایڑی پر کاٹے گا" (پیدائش ۳:۱۵)۔ یعنی عورت کی نسل سے ایک شخص ظاہر ہوگا جو مرد کے نُطفے سے نہ ہوگا۔ شیطان اُس کی سخت مُخالفت کرے گا لیکن وُہ شیطان کے سر کو کچلے گا۔ پھر پیدائش ۲۲:۱۸ میں ہے کہ "تیری نسل کے وسیلے سے زمین کی سب قومیں برکت پائیں گی" یعنی ابرہام کے خاندان سے وُہ شخص ظاہر ہوگا اور جہان کی تمام قومیں اُس سے برکت پائیں گی اور یہ لعنت جو جہان پر پڑی ہُوئی ہے اُسی شخص کے

سبب سے دَفع ہوگی۔ یہ برکت وُہ شخص اپنی قُربانی کے وسیلے سے جاری کرے گا۔

پیدائش ۲۱:۱۲ میں ہے کہ "اضحاق سے تیری نسل کا نام چلے گا"۔ پس وُہ موعودہ شخص اضحاق سے نکلے گا۔ نیز پیدائش ۴۹:۱۰ میں ہے "یہوداہ سے سلطنت نہیں چھوٹے گی اور نہ اُس کی نسل سے حکومت کا عصا موقوف ہوگا۔ جب تک شیلوہ نہ آئے اور قومیں اُس کی مُطیع ہوں گی" یعنی وُہ سب قوموں کو برکت دینے والا ہے اور اب تک پردۂ غیب میں ہے۔ وُہ یہوداہ کے قبیلے سے نکلے گا۔ گنتی ۲۴:۱۵-۱۷ میں ہے "اُس نے اپنی مثل شروع کی اور کہنے لگا: بعور کا بیٹا بلعام کہتا ہے یعنی وُہی شخص جس کی آنکھیں بند تھیں یہ کہتا ہے۔ بلکہ یہ اُسی کا کہنا ہے جو خُدا کی باتیں سُنتا ہے اور حق تعالیٰ کا عرفان رکھتا ہے اور سجدہ میں پڑا ہُوا کُھلی آنکھوں سے قادرِ مُطلق کی رویا دیکھتا ہے۔ مَیں اُسے دیکھوں گا تو سہی پر ابھی نہیں۔ وُہ مجھے نظر بھی آئے گا پر نزدیک سے نہیں۔ یعقوب میں سے ایک ستارہ نکلے گا اور اسرائیل میں سے ایک عصا اُٹھے گا اور موآب کی نواحی کو مار مار کر صاف کر دے گا اور سب ہنگامہ کرنے والوں کو ہلاک کر ڈالے گا"۔ نیز دیکھئے استثنا ۱۸:۱۸ "مَیں اُن کے لئے اُن ہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اُس کے مُنہ میں ڈالوں گا"۔

پس تورات موسوی میں ہی اِس بات کا فیصلہ ہو چکا ہے

کہ وُہ نجات دہندہ یہُوداہ کے قبیلے سے آئے گا لیکن انبیا کے صحائف میں اُس کا حال اِس سے بھی زیادہ تفصیل کے ساتھ لکھا ہُوا ہے۔ ایُوب ۱۹: ۲۳-۲۷ میں مرقوم ہے: "کاش کہ میری باتیں اب لکھ لی جاتیں! کاش کہ وُہ کِسی کتاب میں قلمبند ہوتیں! کاش کہ وُہ لوہے کے قلم اور سیسے سے ہمیشہ کے لئے چٹان پر کندہ کی جاتیں! لیکن مَیں جانتا ہُوں کہ میرا مخلصی دینے والا زندہ ہے۔ اور آخرکار وُہ زمین پر کھڑا ہوگا اور اپنی کھال کے اِس طرح برباد ہو جانے کے بعد بھی مَیں اپنے اِس جسم میں سے خُدا کو دیکھوں گا۔ جسے مَیں خُود دیکھوں گا اور میری ہی آنکھیں دیکھیں گی نہ کہ بیگانہ کی"۔ ایُوب نبی کہتا ہے کہ وُہ مخلصی دینے والا زِندہ ہے اور وُہ آئے گا اور مَیں مُردوں سے زِندہ ہو کر اُسے دیکھُوں گا۔ پھر زبُور ۲: ۶-۷ میں ہے: "مَیں تو اپنے بادشاہ کو اپنے کوہِ مُقدّس صِیُّون پر بٹھا چُکا ہُوں۔ مَیں اُس فرمان کو بیان کروں گا۔ خُداوند نے مُجھ سے کہا تُو میرا بیٹا ہے۔ آج تُو مُجھ سے پَیدا ہُوا"۔ یعنی آنے والا خُدا کا بیٹا ہوگا۔ یسعیاہ نبی باب ۵۳ میں کہتا ہے کہ وُہ اُن کی بدکاریاں اپنے اُوپر اُٹھالے گا۔ یرمیاہ نبی ۲۳: ۵-۶ میں کہتا ہے کہ "دیکھ وُہ دِن آتے ہیں خُداوند فرماتا ہے کہ مَیں داؤد کے لئے ایک صادِق شاخ پَیدا کروں گا اور اُس کی بادشاہی مُلک میں اقبالمندی اور عدالت اور صداقت کے ساتھ ہوگی۔ اُس کے ایّام میں یہُوداہ نجات پائے گا اور اِسرائیل سلامتی سے سکونت کرے گا اور اُس کا نام یہ رکھّا جائے گا خُداوند ہماری صداقت" یعنی وُہ آنے والا داؤد کے خاندان سے

آئے گا اور لوگ اُسے اپنا فِدیہ جانیں گے اور وُہ نہ صِرف اِنسان بلکہ خُدا ہوگا۔ دانی ایل ۹: ۲۴ میں ہے کہ "تیرے لوگوں اور تیرے مُقدّس شہر کے لئے ستّر ہفتے مُقرر کئے گئے کہ خطاکاری اور گُناہ کا خاتمہ ہو جائے۔ بدکرداری کا کفّارہ دِیا جائے۔ اَبدی راستبازی قائم ہو۔ رویا و نبوّت پر مُہر ہو اور پاک ترین مقام ممسُوح کیا جائے"۔ یہاں ستّر ہفتے مسیح کی پَیدائش کی تاریخ بتلاتے ہیں۔

میکاہ ۵: ۲، ۴، ۵ میں ہے کہ "اے بیت لحم اِفراتاہ اگرچہ تُو یہُوداہ کے ہزاروں میں شامِل ہونے کے لئے چھوٹا ہے تو بھی تُجھ میں سے ایک شخص نِکلے گا اور میرے حضُور اِسرائیل کا حاکم ہوگا اور اُس کا مَصدر زمانہ سابق ہاں قدیم الایّام سے ہے ..... اور وہ کھڑا ہوگا اور خُداوند کی قُدرت سے اور خُداوند اپنے خُدا کے نام کی بزرگی سے گلّہ بانی کریگا اور وُہ قائم رہیں گے کیونکہ وُہ اُس وقت اِنتہائے زمین تک بزرگ ہوگا۔ اور وُہی ہماری سلامتی ہوگا"۔ یعنی وُہ جو آنے والا ہے اور جس کے آنے کا انتظام ازل سے مقرر ہو چُکا ہے اور جس کی خبریں پیغمبروں نے دِی ہیں وُہ بیت لحم میں پَیدا ہوگا اور اپنا کام کر کے دُنیا سے صعُود کرے گا اور جب وہ سب کُچھ جو ہونے والا ہے ہو چُکے گا تب وُہ پھر آئے گا اور ابد تک رہے گا اور سب کی سلامتی کا باعث ہوگا۔ اِس کے بعد ملاکی نبی کی کتاب جو سارے عہدِ عتیق کا خاتمہ ہے اُسی آنے والے کی پیشین گوئی پر ختم ہوتی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ پرانے عہدنامے کے مطابق انسان کی نجات کا انحصار ایک آنے والے شخص پر ہے اور کہ اُس کی قربانی کے وسیلے سے سب ایماندار نجات پائیں گے۔

اِس کی توضیح یوں ہے کہ

عہدِ عتیق ایک خاص قربانی کو نجات کا وسیلہ بتاتا ہے۔ چنانچہ آدم کے زمانے سے لے کر المسیح کے ظہور تک قربانی ہی نجات کا وسیلہ سمجھی گئی۔ قربانی کے معنی ہیں وہ چیز جس کے وسیلے سے خدا کی قربت حاصل ہو۔ مگر مسیحیوں کی اصطلاح میں اِس کے معنی یہ ہیں کہ جان کے بدلے جان دے کر بچانا۔

گو عقل یہ کہتی ہے کہ خدا کے فضل سے بچ سکتے ہیں مگر فضل کی تخصیص نہیں کر سکتی۔ لیکن بائبل مُقدّس اِس کی تخصیص کرتی ہے کہ یہی فضل ہے کہ آدمی کی جان کے بدلے خدا کسی دوسرے کی جان کو لے لے اور وہ آدمی بچ جائے۔

کتابِ مُقدّس ایک قسم کی قربانی بتلاتی ہے جس کی گہرائی پر نظر کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ وُہ فضل جس کو عقل چاہتی ہے یہی قربانی ہے اور بس۔

دفعاتِ ذیل پر غور کیجئے

۱۔ الٰہی عدالت کا انسان پر یہ فتویٰ ہے کہ وُہ اپنا پُورا قرض

ادا کرے یا مارا جائے، لیکن انسان کے لئے پُورا قرض ادا کرنا محال ہے۔ لہٰذا ہمیشہ تک غضبِ الٰہی میں رہنا اُس کے لئے ضروری ہے۔ اب بجز اِس کے کہ انسان خدا کے رحم پر بھروسا کرے اور کوئی چارہ نہیں۔ لیکن رحم اور عدل ایک ساتھ جاری نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا عقل اِس معاملے میں خاموش ہے۔

۲۔ لیکن بائبل مُقدّس اِس مسئلے کو یوں حل کرتی ہے کہ ایک جان کے عوض، دُوسری جان بطورِ کفّارہ دُکھ اُٹھا سکتی ہے تاکہ رحم و عدل کا تقاضا پُورا ہو لیکن حسبِ ذیل شرائط کے ساتھ۔

ا۔ وُہ جو کفّارہ دے گناہوں سے سراسر پاک اور معصوم ہو۔

ب۔ وُہ قربانی مُبادلے کی صُورت میں ہو یعنی اپنی نیکی اُسے دے اور اُس کی بدی خود اُٹھائے اور وُہ بھی اپنی مرضی سے۔

۳۔ اِس قسم کی قربانی کا قبول ہو جانا یقینی ہے کیونکہ آسمانی آگ جو خدا کا غضب ہے اِس قربانی کو بھسم کر ڈالے گی اور گنہگار بچ جائے گا۔

۴۔ لیکن عہدِ عتیق کے مُطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ المسیح کی آمد سے قبل آدمی کے بدلے جانور قربان کئے جاتے تھے، حالانکہ مُناسب یہ تھا کہ آدمی کے بدلے آدمی قربان ہو۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ پہلی شرط کی رُو سے کوئی آدمی بے عیب نہیں ہے۔ اِس لئے بے عیب جانور کی تلاش ہوتی تھی۔ لیکن جب بے عیب انسان نے جنم لیا تو "آب آمد تیمم برخاست" کے مصداق بے عیب

جانوروں کی ضرورت نہ رہی۔

۵۔ اِنسان کے بدلے میں بے عیب جانور اِس لئے قربان کیا جاتا تھا کہ جانوروں سے اِنسان کی پرورش ہوتی ہے۔ اور جس طرح کہ تمام رسمی شریعت جسمانی تھی اور رُوحانی مطلب کی طرف اِشارہ کرتی تھی اُسی طرح جانوروں کی قربانی بھی حقیقی قربانی کی طرف اِشارہ کرتی تھی کہ اِنسانی رُوح کی پرورش اِس بے عیب اِنسان کی قربانی سے ہوتی ہے۔

۶۔ یہی وجہ ہے کہ اُن جانوروں کی قربانی سے لوگ کامل صحت نہیں پا سکتے تھے کیونکہ وہ قربانیاں حقیقی نہ تھیں بلکہ حقیقی قربانی کا محض عکس تھیں یا دُوسرے الفاظ میں مجازی قربانیاں حقیقی قربانی کی قائم مقام تھیں۔

۷۔ آدمی اور جانور میں کیا برابری تھی؟ کچھ بھی نہیں۔ کیا جانور اِنسان کے مُساوی ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اور نہ جانور اپنی مرضی کا اظہار کر سکتا ہے کہ وُہ اپنی خوشی سے اِنسان کا فدیہ دے رہا ہے۔ اِس رسم کو مُقرر کرنے سے خُدا کی مرضی یہ تھی کہ اِنسان کو حقیقی قربانی کے لئے تیار کیا جائے لیکن معرفت سے بے بہرہ لوگ اِسے ہی اصل سمجھتے تھے۔

۸۔ خُدا کا مطلب تھا کہ ایک نیا آدمی گُناہ کے سِلسلے سے الگ ہو کر عورت کی نسل سے پیدا ہو جس میں موروثی اور اکتسابی گُناہ نہ ہو اور وُہ کامل اِنسان ہو، تاکہ وُہ سارے جہان کے گُناہ کا فدیہ دے سکے اور اُس کی قربانی سے بائبل کی تمام گزشتہ

قربانیاں تکمیل پائیں۔ نیز آئندہ کو وُہی سب کے حق میں کامل قربانی ہو اور اُسی کی قربانی سے برگزیدوں کی رُوحیں غذا حاصل کریں۔

۹۔ چونکہ اِنسانی جسم میں یہ طاقت نہ تھی کہ سارے جہان کے گُناہوں کا بوجھ اُٹھائے اور خُدا کا غضب جو تمام گنہگاروں پر نازل ہوتے والا تھا سہار سکے، اِس لئے خُدا نے اُس کی بشریت کے ساتھ اپنی الوہیّت کو بھی شامل کیا اور اقنومِ ثانی نے جسم اختیار کیا تاکہ اِس بھاری مُہم کو فتح کر سکے۔

۱۰۔ جب اقنومِ ثانی اِس مقصد کے لئے مُجسّم ہو کر آیا تو صاف ظاہر ہے کہ وُہ اِرادۃً ہمارا فدیہ ہُوا۔

۱۱۔ اب ہماری طرف سے بھی اِس ارادے کی ضرورت ہے کہ ہم اُس پر ایمان کا ہاتھ رکھیں تاکہ مُبادلے کی شرط پُوری ہو۔

۱۲۔ یہی کامل قربانی ہے کیونکہ آدمی کے بدلے میں آدمی لیا جاتا ہے اور وُہ آدمی بھی معصوم ہے۔ اب صِرف ہماری قبولیّت کی شرط باقی ہے۔

۱۳۔ یہ شخص ہمیں اپنی پاکیزگی اور اپنی راستبازی عنایت کرتا ہے اور ہمارے گُناہوں کو لے کر غضبِ الٰہی کی آگ میں جلا دیتا ہے۔

۱۴۔ ایک آدمی کے سبب سے سب پر خُدا کا غضب نازل ہُوا اور اب ایک ہی آدمی کے سبب سے سب پر برکت آتی ہے۔

۱۵۔ یہ قربانی دینے والا شخص یسوع المسیح ہے جو قدّوس ہے۔ وُہ سب کے گناہوں کے لئے کفّارہ ہُوا اور ہمیں خُدا کے غضب

سے مخلصی بخشی۔

۱۶- جب سے اُس نے قُربانی دی ہے، تب سے کروڑوں رُوحیں گُناہوں سے سُبک بار ہو گئی ہیں، اور اُس کی پاکیزگی نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اُس نے ہمارے ساتھ حقیقی مُبادلہ کر لیا ہے۔ پس لازِم بلکہ فرض ہے کہ ہم اُس شخص کے متعلق دیانتداری اور صداقت کے ساتھ غور و خوض کریں۔

پندرھواں باب

یسُوع المسیح عہدِ عتیق میں

گُزشتہ باب میں یہ بتلایا گیا کہ عہدِ عتیق پیغمبروں کے ذریعے بتلاتا ہے کہ آنے والے زمانے میں ایک شخص ظاہر ہوگا جو اپنی قُربانی کے وسیلے سے سارے جہان کے لئے نجات مُہیّا کرے گا۔ نیز یہ بھی بیان ہُوا کہ اُس زمانے کے لوگ اُسی شخص کی طرف تاکتے تھے جیسے اَب ہم اُس کی طرف تاکتے ہیں۔ پس ہمارا اور اُن کا مَطمعِ نظر ایک ہی شخص ہے۔

آئیے اِس بات پر غور کریں کہ وُہ لوگ کس اِعتقاد سے اُس کی طرف تاکتے تھے اور ہم کس اِعتقاد سے اُس کی طرف دیکھتے ہیں۔

ہمارے اعتقاد سے سب لوگ واقِف ہیں کہ یسوع ابنِ مریم کامِل خُدا اور کامِل انسان ہیں اور اپنے کفّارے اور جی اُٹھنے سے ہمیں نجات دیتے ہیں۔ ہمارے اِس اِعتقاد کی بُنیاد انجیلِ جلیل کی تعلیم ہے۔

مگر اِس وقت یہ بیان کرنے کی ضرورت ہے کہ اُس زمانے کے لوگوں کا مسیح کی نسبت کیا اِعتقاد تھا۔ نجات کے اعتبار سے تو وُہ جیسا کہ بیان ہُوا المسیح ہی کو اپنا نجات دِہندہ سمجھتے تھے مگر اُن کا یہ عقیدہ کہ یسوع المسیح کون ہے اور کیا ہے ذیل کے اقتباسات

سے واضح ہوتا ہے۔

اگرچہ یسوع المسیح کی ذات وصفات اور کاموں اور واقعات کا بیان پُرانے عہد نامے کی اکثر عبارتوں کے درمیان صاف صاف اُسی طرح بیان ہُوا ہے جس طرح انجیل میں، مگر اس مسیح (ہمہ دان) کی کیفیت خُدا نے اگلی اُمّت پر اُس کے اَلقاب میں بخوبی ظاہر کر دی تھی۔ اَلقاب کا طریقہ اِس لئے اختیار کیا گیا کیونکہ اَلقاب چھوٹے لفظ ہوتے ہیں جنہیں سب لوگ بآسانی یاد رکھ سکتے ہیں۔

خُدا چاہتا تھا کہ عظیم واقعات کے وقوع سے پیشتر اور اُس کی ذاتِ اَقدس کے ظہور سے پہلے اُس کی ضروری کیفیت کے اصولی مضامین چھوٹے چھوٹے الفاظ میں لوگوں کے دِلوں پر بطور عقیدہ نقش کر دے تاکہ اِن عقائد کے سبب سے وُہ اَبدی ہلاکت سے بچیں۔ اور وُہ جو ظہور کے بعد پیدا ہوں گے اپنے اسلاف کے اِن عقائد کو دیکھ کر ایمان میں زیادہ مضبوطی حاصل کریں۔

یسوع المسیح کے عہدِ عتیق میں مذکور اَلقاب

پہلا لقب: آنے والا المسیح (دیکھئے دانی ایل ۹: ۲۵۔ یہاں لفظ ممسوح اِستعمال ہُوا ہے)۔

مسیح میں اور المسیح میں بڑا فرق ہے۔ بادشاہ، کاہن اور

نبی تیل سے مسح کئے جاتے تھے اور مسیح کہلاتے تھے مگر المسیح وُہ خاص مسیح ہے جس کے وُہ سب مثیل تھے اور یہ تینوں عُہدے اُس میں مکمّل ہو جاتے ہیں۔

زبور ۴۵: ۶-۷ "اَے خُدا! تیرا تخت اَبدُالآباد ہے۔ تیری سلطنت کا عصا راستی کا عصا ہے۔ تُو نے صداقت سے محبّت رکھّی اور بدکاری سے نفرت، اِسی لئے خُدا تیرے خُدا نے شادمانی کے تیل سے تجھ کو تیرے ہمسروں سے زیادہ مسح کیا ہے"۔

زکریاہ ۳: ۸ "اے یشوع سردار کاہن سُن تُو اور تیرے رفیق جو تیرے سامنے بیٹھے ہیں وُہ اِس بات کا اِیما (اشارہ) ہیں کہ مَیں اپنے بندہ یعنی شاخ کو لانے والا ہوں"۔

یہاں سے صاف ظاہر ہے کہ المسیح آنے والا ہے۔ مگر انجیلِ جلیل بتلاتی ہے کہ جب المسیح آئے اور تیس برس کے ہو کر ممسوح ہونے کے لئے دریائے یردن پر یوحنا نبی کے سامنے گئے تو خُدا نے آپ اُنہیں رُوح القدس سے مسح کیا اور رُوح القدس کبوتر کی شکل میں اُن پر نازل ہُوا اور آواز آئی کہ یہ میرا پیارا بیٹا ہے جس سے مَیں خوش ہُوں"۔ پھر اِس شخص کی زندگی کے واقعات اور وُہ سب معجزات جو اُس سے ظاہر ہُوئے بخوبی ثابت کرتے ہیں کہ وُہ المسیح ہے۔

دُوسرا لقب: المَلِک۔ وہ ایک خاص بادشاہ ہے،

سُلطانوں کا سلطان اور خُداوندوں کا خُداوند۔" اور اُن بادشاہوں کے ایّام میں آسمان کا خُدا ایک سلطنت برپا کرے گا جو تا اَبد نیست نہ ہوگی اور اُس کی حکومت کسی دُوسری قوم کے حوالہ نہ کی جائے گی بلکہ وُہ اِن تمام مملکتوں کو ٹکڑے ٹکڑے اور نیست کرے گی اور وُہی ابد تک قائم رہے گی" (دانی ایل ۲: ۴۴)۔ پھر زکریاہ ۹: ۹ میں ہے کہ "دیکھ تیرا بادشاہ تیرے پاس آتا ہے۔ وہ صادِق ہے اور نجات اُس کے ہاتھ میں ہے۔ وُہ حلیم ہے اور گدھے پر بلکہ جوان گدھے پر سُوار ہے"۔

پُرانے عہدنامے میں اِس بادشاہ کا بہُت ذِکر ہُوا ہے اور یہ بھی لِکھا ہے کہ وُہ رُوحانی اور جسمانی دونوں طرح سے بادشاہ ہوگا۔ یہ صاف ظاہر ہے کہ یہُودی بھی جانتے تھے کہ وُہ بادشاہ جو آنے والا ہے وہی المسیح ہے۔ چنانچہ جب مسیح پیدا ہُوا اور نجومی اُسے تلاش کرتے ہوئے یروشلیم آئے تو اُنہوں نے پُوچھا کہ "یہُودیوں کا بادشاہ جو پیدا ہُوا ہے وہ کہاں ہے؟" تب ہیرودیس بادشاہ نے کہا "مسیح کہاں پیدا ہوگا؟" کیونکہ وُہ جانتا تھا کہ آنے والا بادشاہ مسیح ہے۔ اور عُلمائے یہُود نے میکاہ ۵: ۲ کا حوالہ دِیا اور کہا کہ وُہ بیت لحم افراتاہ میں پیدا ہوگا۔

چونکہ مسیح حقیقی بادشاہ ہے اِس لئے اُس کی بادشاہت کا آغاز اِنسان کے دِل سے ہوتا ہے۔ اِسی لئے اُس کے نقیب یُوحنّا اِصطباغی نے توبہ کی منادی کی: "توبہ کرو کیونکہ آسمان کی بادشاہت نزدیک آگئی ہے" (متی ۳: ۲)۔ اِس بادشاہ کی

رعیّت بننے کے لئے دِل کی تیاری کی ضرُورت ہے تاکہ خوشی کے ساتھ اطاعت کی جائے اور رُوحانیّت جسمانیّت پر غالِب آجائے، یہاں تک کہ سب کُچھ نیا ہو جائے۔ اِسی بادشاہت کے اِنتظام سے جہان کامِل ہوگا کیونکہ اُس کا تعلق دِل سے ہے اور اُس کا سب سامان رُوحانی ہے۔

تیسرا لقب: خُداوند کا بازُو (دیکھئے یسعیاہ ۵۱: ۹)۔

یہ لقب اُس کی قُوّت اور قدرت کو ظاہر کرتا ہے کہ اُس میں کِس قسم کی طاقت ہوگی۔

یسوع المسیح کے واقعات صاف گواہی دیتے ہیں کہ وُہ خُدا کا بازُو ہے۔ اِنسانوں، فرشتوں اور تمام موجُودات میں جو طاقت دیکھی جاتی ہے اُن سب سے نرالی طاقت المسیح میں ظاہر ہُوئی۔ المسیح کی نجات دینے والی طاقت سے ہر مُلک کے ایماندار جانتے ہیں کہ خُدا کا بازو ہماری مدد پر ہے۔ اُس کی قُدرت سے جو رُوحوں، اِنسانی خیالات، پانیوں اور ہواؤں پر ظاہر ہُوئی صاف ثابت ہے کہ وُہ خُدا کا بازو ہے۔ اُس کی قُدرت جو اپنی کلیسیا کو بڑھانے اور پھیلانے میں دیکھی جاتی ہے صاف گواہی دیتی ہے کہ وُہ خُدا کا بازُو ہے۔

چوتھا لقب: عجیب، مُشیر، خُدائے قادِر، ابدیّت کا باپ، سلامتی کا شہزادہ (دیکھئے یسعیاہ ۹: ۶)

فی الحقیقت یہ سارے اوصاف یسوع المسیح میں پائے جاتے ہیں اور اِن پانچوں کا مفہوم کامل طور پر اُس پر چسپاں ہوتا ہے۔

عجیب: اُس کی وِلادت سے صعودِ آسمانی تک عجیب باتیں اُس میں دیکھی گئیں اور آج تک عجیب بھید اُس سے ظاہر ہوتے ہیں۔

مُشیر: وُہ آدمیوں کو عمدہ صلاح دیتا ہے۔ ایسی صلاح دینے والا ایک بھی جہان میں نظر نہیں آتا۔ وُہ خدا باپ کے ساتھ ازل سے مُشیر تھا۔

خُدائے قادر: ظاہر ہے کہ اُس میں کامل اُلوہیّت تھی۔

اَبدیّت کا باپ: وُہ مُردوں میں سے جی اُٹھا اور اَبد تک زندہ ہے۔

سلامتی کا شہزادہ: خُدا کا بیٹا یسوع المسیح ہماری سلامتی کا باعث ہے۔

پانچواں لَقب: تمام قَوموں کی آرزُو (دیکھئے پیدائش ۴۹: ۱۰)۔

وُہ نہ صِرف یہُودیوں کی آرزُو ہے بلکہ دُنیا کی تمام اقوام کی بھی۔ اور اگر ہر قَوم فِکر سے کام لے تو معلُوم ہو سکتا ہے کہ وُہی ہر قَوم کی آرزُو ہے۔ ایک وقت ایسا آنے والا ہے جب سب جانیں گے کہ وُہی ہماری آرزو ہے۔

چھٹا لَقب: حِکمت (دیکھئے امثال ۸: ۱۲)۔

یہ مضمُون ایسی خوبی کے ساتھ یسوع میں پایا جاتا ہے کہ کِسی

کو اِنکار نہیں، کیونکہ یسوع کی تعلیم سے سارے جہان کے عُقلا حیران ہیں اور ہر دانائی اُس کی دانائی کے سامنے ہیچ ہے۔ چنانچہ نہ اُس وقت کوئی دانا اُس کا مُقابلہ کر سکا اور نہ آج تک کوئی اُس سے بہتر تعلیم دے سکا۔

ساتواں لقب: خُداوند خُدا "دیکھو خُداوند خُدا بڑی قُدرت کے ساتھ آئے گا" (یسعیاہ ۴۰: ۱۰)۔ آیت ۵ میں ہے "خُداوند کا جلال آشکارا ہوگا"۔

عقل نے خُدا کو جن صفات کے ساتھ دریافت کیا ہے اور الہام نے خُدا کی جو صِفتیں بتائی ہیں وُہ سب اِس شخص میں پائی جاتی ہیں۔

آٹھواں لقب: خُداوند ہماری صداقت "اُس کا نام یہ رکھا جائے گا خُداوند ہماری صداقت" (یرمیاہ ۲۳: ۶)۔

سارے مسیحی دِین کا حاصِل یہی ہے کہ مسیح ہماری وُہ نیکی ہے جس کو ہم خُدا کے سامنے پیش کر سکتے ہیں۔ ہم اعمال سے نہیں بلکہ صِرف مسیح کے طُفیل بچیں گے۔ صِرف مسیح نے ہی گُنہگاروں کا نجات دہندہ ہونے کا مُدلّل دعویٰ کیا ہے۔

نواں لَقب: عمانوایل۔ اِس کا ترجمہ ہے "خُدا ہمارے ساتھ" (یسعیاہ ۷: ۱۴)۔

یہ یسوع المسیح خُدائے مُجسّم کی ذاتِ اقدس کا بیان ہے جس کا ثبوت اُس کی عصمت، قدرت، علم، حکمت اور سارے واقعات دیتے ہیں۔

دسواں لقب: خُدا کا ہمتا (زکریاہ ۱۳: ۷) یعنی وُہ ایک اِنسان ہے جو خُدا کا رفیق ہے۔

اسی طرح داؤد کی اصل، داؤد کی نسل، اِسرائیل کا قدّوس، خدا کا فرشتہ، عہد کا رسُول، شریعت دہندہ، شاہد، ستارہ، خلق کا پیشوا اور آفتابِ صداقت وغیرہ اُس کے القاب ہیں جن کا مفہوم اُسی شخص یسوع میں ادا ہوتا ہے۔ ہمارا یسوع پر جو کچھ اعتقاد ہے وُہ وہی ہے جو اگلے پیغمبروں اور اُن کی اُمّت کا تھا۔ فرق صرف یہ ہے کہ وُہ کہتے تھے ایک ایسا شخص آنے والا ہے اور ہم کہتے ہیں کہ وُہ آگیا ہے۔

پس عزیز بھائیو! یہ بے فکری اور بے پروائی کا وقت نہیں ہے۔ یسوع المسیح کے مُتعلق دیانتداری کے ساتھ غور کریں اور اُسی کو مدِّنظر رکھیں۔ تب ہی آپ کو خُداشناسی حاصل ہو سکے گی۔

فقط و السّلام

عمادُالدّین لاہز